سلسلۂ اربعینات #۲ چہل احادیثِ قدسیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (القرآن)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے

الافق الاعلیٰ

فی

اِنارۃ ما رَوَی النَّبِیّ عَن رَّبِّہٖ تعالیٰ

تاریخی نام

مختار القدسی

۱۴۴۶ھ

شہزادۂ حضور رئیس ملّت

سید نظامی اشرف اشرفی الجیلانی میرانی

ناشر: رئیس ملّت اسلامک ریسرچ سینٹر، کھمبات شریف، گجرات، انڈیا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

تفصیلات

نام کتاب: الافق الاعلیٰ فی اِنارۃ ما رَوَی النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّم عَن رَّبِّہٖ تعالیٰ

شہزادۂ رئیس ملت، سید نظامی اشرف اشرفی جیلانی میرانی

نظرثانی وتقدیم: حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین قادری اشرفی

(صدر دارالافتاء، دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، بستی، یوپی)

سنہ اشاعت: ۱۴۴۶ھ/ ۲۰۲۴ء

تعداد: ۱۱۰۰

صفحات: ۱۰۸

ناشر: رئیس ملّت اسلامک ریسرچ سینٹر کھمبات شریف گجرات

PUBLISHED BY:

RAIS-E-MILLAT ISLAMIC RESEARCH CENTRE,

KHAMBHAT SHARIF, GUJARAT (INDIA)

ملنے کے پتے:

(۱) رئیس ملّت اسلامک ریسرچ سینٹر کھمبات شریف، گجرات

(۲) خانقاہِ عالیہ سرکار شاہِ میراں کھمبات شریف، گجرات وجامعہ فیضانِ اشرف رئیس العلوم، کھمبات شریف، گجرات، الہند

مولای صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلهم
محمد سید الکونین والثقلین
والفریقین من عرب ومن عجم

مشمولات

مضمون	صفحات
تفصیلات	2
مشمولات	4
شرف انتساب	7
پیش لفظ	8
دعائیہ کلمات	14
کلمات تبریک	16
تقریظ [ماہر علم وفن مصنف کتب کثیرہ حضرت علامہ مفتی کمال احمد نظامی علیمی]	18
تقدیم [حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین قادری]	21
حدیث القدسی نمبر:۱[زمانہ کو برا کہنا باری تعالی کی ناراضی کا سبب ہے]	27
حدیث القدسی نمبر:۲[بندہ کو اپنے متعلق امور میں اللہ تعالیٰ سے بہتر امید رکھنی چاہئے اور مشغولِ ذکر رہنا چاہئے]	29
حدیث القدسی نمبر:۳[نیکیوں کی نیت پر بھی ثواب ملتا ہے]	35
حدیث القدسی نمبر:۴[بہشت کی نعمتیں انسان کے خیالات وتصورات سے ماورا ہیں]	39
حدیث القدسی نمبر:۵[اللہ اپنے محبوب بندہ کو دیر بندوں میں ہر دلعزیز بنا دیتا ہے]	42
حدیث القدسی نمبر:۶[صلہ رحمی کا انعام اور اس کے ترک کا انجام]	45
حدیث القدسی نمبر:۷[نماز پڑھنے والوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے]	48

حدیث القدسی نمبر:۸[راہِ خدا میں خرچ کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے] 50
حدیث القدسی نمبر:۹[اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے سے سخت بیزار ہے] 52
حدیث القدسی نمبر:۱۰[آنکھوں کی نعمت سے محروم صبر کرنے والے مسلمان کا بے پایاں انعام] 54
حدیث القدسی نمبر:۱۱[کسی نعمت کے فوت ہونے پر صبر کرنے کا بے پایاں انعام] 56
حدیث القدسی نمبر:۱۲[انبیائے کرام کے مابین فضل میں موازنہ کی ایک ممنوع صورت] 57
حدیث القدسی نمبر:۱۳[اللہ تعالیٰ سے ملاقات پسند کرنے والا محبوب بندہ ہے اور اُس کی
ملاقات ناپسند کرنے والا ناپسند ہے] 58
حدیث القدسی نمبر:۱۴[قیامت کے دن ہزار آدمیوں میں ایک جنتی ہوگا] 60
حدیث القدسی نمبر:۱۵[اولیاء اللہ سے دشمنی کا ہولناک انجام اور کثرتِ نوافل کا بیش بہا انعام] 63
حدیث القدسی نمبر:۱۶[جلد افطار کرنے والے روزہ دار اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں] 67
حدیث القدسی نمبر:۱۷[بندگانِ خدا کے ساتھ بھلائی کا صلہ اور باری تعالیٰ کی شانِ بے نیازی کا بیان] 68
حدیث القدسی نمبر:۱۸[شرک سے بچتے رہنے پر ہر گناہ کی بخشش ہو سکتی ہے] 74
حدیث القدسی نمبر:۱۹[حقیقی عظمت و بزرگی صرف باری تعالیٰ کو شایاں ہے] 77
حدیث القدسی نمبر:۲۰[راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لیے بخشش کی ضمانت ہے] 78
حدیث القدسی نمبر:۲۱[جنتی بار بار شہادت سے سرفرازی کی تمنا کرے گا] 80
حدیث القدسی نمبر:۲۲[نذر] 82
حدیث القدسی نمبر:۲۳[تین لوگ ایسے ہیں جن کا حساب روزِ قیامت بہت سخت ہوگا] 84
حدیث القدسی نمبر:۲۴[کثرتِ عبادت سے غنائے قلب کی دولت میسر ہوتی ہے] 86
حدیث القدسی نمبر:۲۵[ذکر کرنے والے بندہ پر خصوصی رحمت ہوتی ہے] 87

حدیث القدسی نمبر:۲۶[تلاوت اور ذکرِ خدا میں مشغول رہنے والوں کو مانگنے سے سوا ملتا ہے] 89
حدیث القدسی نمبر:۲۷[ہولناک وقت میں خدا کو یاد کرنے ولا بندہ کامل ترین بندہ ہے] 90
حدیث القدسی نمبر:۲۸[عظمتِ الٰہیہ کے سبب باہم محبت کرنے والے روزِ قیامت امتیازی
شان والے ہوں گے] 91
حدیث القدسی نمبر:۲۹[بندگانِ خدا کے ساتھ حسنِ سلوک سے پروردگار خوش ہوتا ہے] 92
حدیث القدسی نمبر:۳۰[مصیبت پہنچنے کے شروع وقت میں صبر کرنے پر بڑا اجر ہے] 94
حدیث القدسی نمبر:۳۱[اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب پر سابق ہے] 95
حدیث القدسی نمبر:۳۲[ذکر کرنے والے اور اللہ سے ڈرنے والے بندہ کو جہنم سے رہائی نصیب ہوگی] 96
حدیث القدسی نمبر:۳۳[بارش کے بارے میں ستاروں کو موثر حقیقی ماننا کفر ہے] 97
حدیث القدسی نمبر:۳۴[ہر رات میں یک تہائی رات باقی رہنے پر اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا
پر تجلی فرماتا ہے] 100
حدیث القدسی نمبر:۳۵[چاشت کی نماز پڑھنے والا دن بھر اللہ تعالیٰ کی حفظ وامان میں ہوتا ہے] 102
حدیث القدسی نمبر:۳۶[ایک فتنہ کے وقوع کی خبر] 103
حدیث القدسی نمبر:۳۷[روزہ رکھنے والوں پر انعاماتِ ربانیہ] 105
حدیث القدسی نمبر:۳۸[سورۂ فاتحہ پڑھنے والے پر انعاماتِ ربانیہ] 107
حدیث القدسی نمبر:۳۹[تصویر بنانا بہت بڑا ظلم ہے] 110
حدیث القدسی نمبر:۴۰[''حب فی اللہ'' والے لوگ قیامت کے دن باری تعالیٰ
کے سایۂ رحمت میں ہوں گے] 111

شرف انتساب

شہزادۂ حضور غوث اعظم والد ماجد سرکار شاہ میراں حضرت سیدنا ابوالفضل محمد رضی اللہ عنہ (بغداد شریف)

❁

تارک سلطنت شاہ شاہان طریقت القدوۃ الکبریٰ اوحدالدین والدنیا غوث العالم محبوب یزدانی میر کبیر مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی سامانی نوربخشی رضی اللہ عنہ (کچھوچھہ مقدسہ)

❁

والدۂ ماجدہ سرکار شاہ میراں حضرت سیدہ بی بی سکینہ المعروف روحانی ماں رضی اللہ عنہا
(کھمبات شریف)

❁

قطب ربانی محبوب غوث جیلانی محبوب الاولیاء نبیرگان غوث اعظم سرکار شاہ میراں حضرت پیر میراں سید علی وسید ولی رضی اللہ تعالیٰ عنہما (کھمبات شریف)

❁

امام المتکلمین رئیس المحدثین حضرت علامہ سید نہال اشرف اشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ
(نانا جان حضور رئیس ملت بسکھاری شریف)

❁

گل گلزار اشرفیت علیم ملت حضرت سید شاہ علیم اشرف اشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ
(والد ماجد حضور رئیس ملت بسکھاری شریف)

الافق الاعلی فی انارة ما رَوَی النَّبِیّ عَن رَّبِّہٖ تعالیٰ [سید نظامی اشرف اشرفی الجیلانی میرانی]

پیش لفظ

الحمد للہ القدوس الذی نزل اھل الحدیث أعلی منازل التشریف
والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد النبی الشریف العفیف وآلہ وصحبہ
المعصومین فی المقال عن التبدیل والتحریف

مذہبِ اسلام میں قرآنِ مجید وفرقانِ حمید کے بعد حدیث شریف کا مقام ومرتبہ سب سے بلند ہے۔ حدیث کی رہنمائی کے بغیر قرآنِ پاک کو سمجھنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔اسی لیے اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن حکیم کی وضاحت اور بیان کرنے والا بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

"وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُونَ"

(ترجمہ: اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کردو جو ان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔سورہ نحل: ۴۴)

حدیث وسنت کی آئینی اور تشریعی حیثیت مسلّم ہے۔حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و ہدایات، ارشادات وتعلیمات اور اعمال وافعال کو "حدیث" کہتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ احادیثِ طیبہ، وحیِ الٰہی کا درجہ رکھتی ہیں۔حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و ارشادات کی ایک اعلیٰ ترین قسم وہ احادیث طیبہ ہیں جن کے معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے

ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ اس قسم کی احادیث کو ”احادیثِ قدسیہ“ یا ”احادیثِ الٰہیہ“ کہا جاتا ہے۔ شیخ محمد عوامہ نے اپنی کتاب "من صحاح الأحادیث القدسیة" کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حدیث قدسی کی فضیلت یہ ہے کہ اس میں دو نور جمع ہیں: ایک نورِ الٰہی اور دوسرا نورِ نبوی۔ چونکہ یہ احادیث ایک حیثیت سے اللہ ہی کا کلام ہیں، اس لیے ترغیب وترہیب کی زیادہ تاثیر رکھتی ہیں۔ ان احادیث میں عموماً اللہ تعالیٰ کی صفات جلالیہ و جمالیہ یا اس کے مقرب فرشتوں یا بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے تعلق کا بیان ہوتا ہے۔ (من صحاح احادیث القدسیہ ص: ۵ مطبع دار القبلة للثقافة الآسلامیة، جدة)

علامہ میر سید شریف جرجانی علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور کتاب ”التعریفات“ میں حدیث قدسی کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

الحدیث القدسی هو من حیث المعنی من عند الله تعالیٰ و من حیث اللفظ من رسول الله صلی الله علیه و سلم، فهو ما أخبر الله تعالیٰ به نبیه بإلهام أو بالمنام فأخبر علیه السلام عن ذٰلك المعنی بعبارة نفسه فالقرآن مفضل علیه لأن لفظه منزل أیضًا.

”حدیث قدسی وہ حدیث ہے جس کا معنی ومفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور الفاظ حضور نبی کریم ﷺ کے ہوتے ہیں اور بصورت خواب یا الہام اللہ رب العزت اپنے نبی کو القاء فرماتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واسے اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔ البتہ قرآن کا درجہ حدیثِ قدسی سے بلند ہے کہ اس کے الفاظ بھی اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں۔“ (باب القاف ۸۷ دار الکتب العلمیة بیروت)

علامہ عبد الرؤف مناوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

الحدیث القدسی إخبار الله تعالیٰ نبیه علیه الصلاة و السلام معناه بإلهام أو بالمنام، فأخبر النبی صلی الله علیه و سلم عن ذٰلک المعنی بعبارة نفسه.

حدیث قدسی وہ خبر ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کریم ﷺ کو الہام یا خواب کے ذریعہ دی ہو اور آپ نے اس کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہو۔ (الاتحافات السنیة بالأحادیث القدسیة صفحه ۲ مطبع دار المعرفة بیروت)

حضرت ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ حدیث قدسی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اس کی تعریف میں فرماتے ہیں:

الحدیث القدسی ما یرویه صدر الرواة و بدر الثقات علیه أفضل الصلوات و أکمل التحیات عن الله تبارک و تعالیٰ تارةً بواسطة جبرئیل علیه السلام و تارة بالوحی و الإلهام و المنام مفوضًا إلیه التعبیر بأی عبارةٍ شاء من أنواع الکلام۔

حدیث قدسی اسے کہتے ہیں جسے راویوں کے سردار اور ثقات کے مہ کامل یعنی نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہو، خواہ حضرت جبرئیل کے واسطے سے یا وحی والہام یا خواب کے ذریعے، جس کی تعبیر کا اختیار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوتا ہے کہ وہ جن الفاظ میں چاہیں بیان کریں۔ (الأحادیث القدسیة صفحه ۱۰ مطبع مکتبة الصحابة، جدة)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن بھی کلام الٰہی ہے اور حدیث قدسی بھی کلام الٰہی، تو پھر ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ تو محدثین کرام نے قرآن اور حدیثِ قدسی کے درمیان درج ذیل وجہوں سے فرق بیان کیا ہے:

(۱) نظم قرآن یعنی قرآن کریم کے الفاظ شانِ اعجاز کے حامل ہیں اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اس جیسی کوئی چھوٹی سورت بنا سکے لیکن حدیث قدسی میں شانِ اعجاز ہونا لازم نہیں ۔

(۲) قرآن کریم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے نازل ہوا، جب کہ احادیثِ قدسیہ بلا واسطۂ جبرئیل بھی نازل ہوئی ہیں ۔

(۳) قرآن کریم کا نظم متواتر نقل ہوتا ہوا آیا ہے اور یہ ہر قسم کی تبدیلی سے محفوظ ہے، جب کہ حدیث قدسی میں یہ شرط نہیں ۔

(۴) قرآن کریم کے نظم کو تبدیل کرنا جائز نہیں یعنی اس میں روایت بالمعنی کی گنجائش نہیں اور حدیث قدسی کی روایت بالمعنی جائز ہے ۔

(۵) قرآن کریم کو بلا وضو چھونا جائز نہیں، نیز جنب (یعنی جس پر شہوت کے ساتھ خروج منی کے سبب غسل فرض ہو) اور حیض ونفاس کی حالت میں رہنے والی عورت کے لیے اس کا چھونا نیز اس کی تلاوت جائز نہیں جب کہ حدیث قدسی کے لیے یہ احکام لازم نہیں ۔

(۶) نماز میں قرآن کریم کی تلاوت فرض ہے اور بیرون نماز بھی اس کو تلاوت کی حیثیت سے پڑھا جاتا ہے، لیکن نماز میں حدیث قدسی کا پڑھنا فرض نہیں، نیز اس کے پڑھنے سے نماز میں قراءت کا فرض ساقط نہ ہوگا، یوں ہی بیرون نماز بھی حدیث قدسی کو تلاوت کے طور پر نہیں پڑھا جاتا ۔

(۷) احادیث قدسیہ کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی جانب بھی ہوتی ہے، جب کہ قرآن کریم کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوتی ہے ۔

(۸) قرآن پاک کی کتابت خود حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کرائی اور احادیث قدسیہ کی کتابت آپ نے نہیں کرائی، بلکہ ان کی کتابت عام طور پر آپ کی وفات کے بعد میں ہوئی ۔

الافق الاعلی فی انارۃ ما رَوَی النَّبِیُّ عَنْ رَبِّہٖ تعالی [سید نظامی اشرف اشرفی الجیلانی میرانی]

(۹) جمہور علمائے اسلام اور محدثین کے نزدیک حدیث قدسی کے الفاظ حضور نبی اکرم ﷺ کے ہیں، جب کہ قرآن کریم کے الفاظ اور معانی دونوں من جانب اللہ ہیں ۔

احادیثِ طیبہ کی نشر و اشاعت اور انہیں دوسروں تک پہنچانا ایسا عظیم اور مہتم بالشان کارنامہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث روایت کرنے والوں اور ان کی ترویج و اشاعت کی خدمت انجام دینے والوں کو نہ صرف اپنا "خلیفہ" قرار دیا ہے بلکہ ان کے حق میں دعائے خیر بھی فرمائی ہے ۔ اسی طرح لوگوں تک چالیس احادیث پہنچانے کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے ۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

من حفظ على أمتي أربعين حديثا من أمر دينها، بعثه الله يوم القيامة شافعا و شهيدا.

جو دینی امور سے متعلق چالیس احادیث میری امت تک پہنچائے گا اسے اللہ رب العزت قیامت کے دن شفاعت کرنے والا اور شہید بنا کر اٹھائے گا۔ بعض روایت میں "بعثه الله يوم القيامة في زمرة الفقهاء و العلماء" اور بعض روایتوں میں "بعثه الله عالماً و فقيهاً" اور بعض میں "و كنت له يوم القيامة شافعاً و شهيداً" کے الفاظ آئے ہیں ۔ اسی کے پیش نظر ہر دور کے علما و محدثین نے چالیس احادیث کا مجموعہ (جسے "اربعین" کہا جاتا ہے) مرتب کر کے شائع کرنے کا خصوصی اہتمام فرمایا ہے تا کہ وہ مذکورہ فضیلت کے حقدار بن سکیں ۔ راقم الحروف اپنے لیے اس چیز کو بڑی ارجمندی تصور کرتا ہے کہ بحمدہ تعالی اس نے "اربعینات" پر کام کرنے کا منصوبہ بنایا، جس کی ایک کڑی پیش کی جا چکی ہے ۔ زیر نظر کتاب "الافق الاعلیٰ فی انارۃ ما روی النبی ﷺ عن ربہ تعالیٰ" اسی مبارک سلسلے کی ایک مزید کڑی ہے جس میں راقم الحروف نے مختلف دینی موضوعات پر چالیس

احادیثِ قدسیہ قدرے توضیح وتشریح کے ساتھ یکجا کرنے کی خدمت انجام دی ہے۔ نیز دیگر موضوعات پر بھی ''اربعین'' کی ترتیب وتالیف کا کام جاری ہے ان شاء اللہ وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی رہیں گی۔

اور آخر میں رئیس ملّت اسلامک ریسرچ سینٹر کے تمام اراکین کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے طباعت کی ذمہ داری قبول کر کے جلد منظرِ عام پر لانے کی سعی جمیل کی۔

میں بحضورِ الٰہی جل جلالہ وعم نوالہ دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سب لوگوں کو دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے اور ہر کارِ خیر میں باہم تعاون کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین علیہ وعلی آلہ وصحبہ افضل الصلاۃ واکرم التسلیم۔

خاک پائے

شاہ سمناں وشاہ میراں وروحانی ماں

سید نظامی اشرف اشرفی الجیلانی میرانی

ولی عہد آستانۂ عالیہ سرکارشاہِ میراں، اشرف نگر، کھمبات شریف،

ضلع آنند گجرات، انڈیا

۲/محرم الحرام ۱۴۴۶ھ بمطابق: ۸/ جولائی ۲۰۲۴ء بروز سہ شنبہ

﴿دعائیہ کلمات﴾

پیر طریقت رہبر شریعت مظہر کراماتِ غوث اعظم رئیس دین وملت ابوالایتام

حضرت علامہ الحاج الشاہ سید رئیس اشرف اشرفی الجیلانی میرانی دامت برکاتہم العالیہ

سجادہ نشین آستانہ عالیہ سرکارشاہ میراں وبانی جامعہ فیضان اشرف رئیس العلوم

اشرف نگر کھمبات شریف گجرات انڈیا

❁❁❁

بسم اللہ والحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ

ہر والد کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد کچھ ایسا کام کرے جس سے ان کا نام ہو اور لوگوں کے بیچ میں خوب عزت بڑھے مگر میری فکر شروع سے یہی رہی ہے کہ میری اولاد بے لوث دین متین کی خدمت کرے اور عند اللہ وعند الرسول مقبول ہو کر دارین میں فائز المرام وسرخرو رہے چند سال پیشتر میں نے اپنے فرزند ارجمند جناب حافظ وقاری مولانا سید نظامی اشرف اشرفی الجیلانی میرانی سلمہ ربہ کو تصنیف وتالیف پر خصوصی توجہ دینے کا حکم دیا تھا چنانچہ انھوں نے میری خواہش ومنشاء کے مطابق اس پر کامل توجہ دی اس طرح ان کی تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا جس کی ایک کڑی یہ اربعین بھی ہے جسے ''الافق الاعلی فی انارۃ ما روی النبی عن ربہ تعالی'' تاریخی نام ''مختار القدسی ۱۴۴۶ھ'' کے نام سے شائع وعام کرنے اچھی کوشش وکاوش کی۔

سلسلہ واران کا یہ قلمی کام دیکھ کر مجھے بیکراں فرحت ومسرت کا احساس ہورہا ہے۔ دعا ہے کہ رب قدیر ان کے علم وعمل، عمر، صحت وتوانائی اور ہر کار خیر میں بے شمار برکت نصیب فرمائے اور اس کاوش کو شرف قبولیت سے مشرف فرما کر مقبولِ انام بنائے اور مزید دینی وملی خدمات انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین یارب العالمین بجاہ النبی وآلہ الامجاد

سید رئیس اشرف اشرفی الجیلانی میرانی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ سرکار شاہ میراں کھمبات شریف
وارد حال: نیویارک، امریکہ (New York, USA)
2 محرم الحرام 1446ھ بروز سہ شنبہ

92/786

﴿کلمات تبریک﴾

شہزادہ حضور رئیس ملت فاضل یمن رئیس العلماء
حضرت علامہ الحاج الشاہ پیر سید جامی اشرف اشرفی الجیلانی میرانی دامت برکاتہم العالیہ
ولی عہد آستانہ عالیہ سرکار شاہ میراں وناظم اعلی جامعہ فیضان اشرف رئیس العلوم
اشرف نگر کھمبات شریف گجرات انڈیا

❁❁❁

مبسملا وحامدا ومصليا ومسلما

یہ ہمارے دین متین کی صداقت وحقانیت ہی ہے کہ قرآن حکیم کے بعد جو ہمارا سب سے عظیم اور قیمتی سرمایہ ہے وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی احادیث کریمہ ہیں۔ الحمدللہ اب بھی پورے اہتمام واستناد کے ساتھ موجود ومحفوظ ہیں یہ پروردگار عالم کا خاص انتظام ہے کہ ہر زمانے میں وہ اپنے کچھ خاص بندوں سے خاص دینی خدمات لیتا ہے اور علم دین کی نشرواشاعت یقیناً خاص خدمت ہے۔

مجھے قلبی فرحت وانبساط محسوس ہورہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے برادر مکرم فاضل علوم دینیہ حضرت مولانا حافظ وقاری سید نظامی اشرف اشرفی الجیلانی میرانی حفظہ اللہ ورعاہ نے اپنی خانقاہی ذمہ داریوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر ایک مرتبہ پھر قلمی خدمت پیش کرتے ہوئے ''اربعین'' کی شکل میں چہل احادیث کا گنج گراں مایہ بنام ''الافق الاعلی فی إنارۃ ما روی النبی عن ربہ تعالی'' تاریخی نام ''مختار القدسی سنہ ۱۴۴۶ھ'' و''رفعتِ حدیثِ قدسی سنہ ۱۴۴۶ھ'' و''شمع اربعین احادیثِ قدسیہ

سنہ ۱۴۴۶ھ" کو منظر عام پر لانے کی سعی بلیغ کی ہے ۔جس کا ترجمہ، توضیح وتشریح اور تحقیق انتہائی جاذب اور فصاحت سے لبریز ہے اس "اربعین" کے متعلق مجھے اذعان ہے کہ علمی وادبی ذوق رکھنے والے حضرات اسے پڑھ کر بالضرور محظوظ ومسرور ہوں گے اور فاضل موصوف کو داد وتحسین کا مستحق ٹھہرائیں گے۔

میں ان کی اس کاوش پر صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ مولی تعالیٰ ان کی اس علمی کاوش کو قبول فرما کر مفید انام بنائے اور مزید علمی، دینی وملی خدمات کی توفیق دے اور ان کے باقی عزائم کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچائے ۔آمین بجاہ النبی وآلہ الامجاد

گدائے اشرف وفدائے میراں

سید جامی اشرف اشرفی الجیلانی میرانی

وارد حال مرکز روحانیت کھمبات شریف گجرات الھند

1 /محرم الحرام 1446ھ بروز دوشنبہ

﴿تقریظ﴾

ماہر علم وفن مصنف کتب کثیرہ حضرت علامہ مفتی **کمال احمد** نظامی علیمی دامت برکاتہم العالیہ

استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یو پی الھند

❁❁❁

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

لاریب محبت رسول ﷺ جان ایمان ہے، مگر محبت رسول ﷺ کا بنیادی تقاضا اتباع رسول ﷺ ہے، اتباع رسول ﷺ بغیر معرفت حدیث کے ممکن نہیں، اسی لئے عہد رسالت ہی سے حدیث شریف سے اشتغال کو باعثِ سعادت سمجھا گیا، یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

خدمت حدیث کا ایک شعبہ" اربعین نویسی" بھی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"مَنْ حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا فِيْمَا يَنْفَعُهُمْ مِنْ أَمْرِ دِيْنِهِمْ، بَعَثَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْعُلَمَاءِ، وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ سَبْعِيْنَ دَرَجَةً، اللهُ أَعْلَمُ بِمَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ".

(شعب الایمان، ۲ / ۲۷۰)

جس شخص نے میری اُمت کے لئے چالیس ایسی احادیث کو محفوظ کیا جو انہیں ان کے دین کے معاملہ میں نفع پہنچائیں، تو اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت علما کے درجہ میں اٹھائے گا، اور عالم کی عابد پر ستر درجے فضیلت ہے، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کے ہر دو درجوں میں کتنا فاصلہ ہے۔

اس فضیلت کی حصول یابی کے لئے علمائے کرام نے اس طرف خصوصی توجہ فرمائی، اور الگ الگ نوعیت کی متعدد اربعین کی تالیف فرمائی ۔زیر نظر تالیف چالیس احادیث قدسیہ کا مجموعہ ہے، حدیث قدسی سے مراد وہ حدیث ہے جس کی روایت نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے فرمائی، یوں تو ہر حدیث خدائے قدوس

ہی کی بات ہوتی ہے مگر حدیث قدسی کی شان الگ ہے، دوسو سے زائد احادیث قدسیہ نبی کریم علیہ السلام سے مروی ہیں، جن میں سے چالیس احادیث منتخب کر کے اس کتاب "الافق الاعلی فی إنارۃ ماروی النبی عن ربہ تعالی" تاریخی نام "مختار القدسی ۱۴۴۶ھ" کی تالیف کی گئی ہے۔ کتاب کے اکثر حصوں کا مطالعہ کیا، خوب سے خوب تر پایا، حسن ترتیب، جودت تنظیم، کمال تحقیق اور جمال تدقیق جیسی متعدد خوبیاں اس کتاب کے امتیازی اوصاف ہیں، کتاب میں چند امور کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے:

* متن حدیث کی تشکیل
* عربی نصوص کی سلیس تارید
* احادیث قدسیہ کی مختصر مگر جامع تشریح
* کلمات حدیث کی لغوی، نحوی اور بلاغی توضیح
* حدیث پر وارد شدہ اعتراضات کی تشفی بخش تردید
* مشکل مقامات کی خوب صورت تسہیل
* حدیث پاک سے مفہوم فوائد ونکات کی تقدیم
* سوال وجواب کی شکل میں دقائق وحقائق، نوادر ومعارف اور اہم مباحث کی تفصیل.

بہر حال زیر نظر کتاب کئی لحاظ سے کتب اربعین میں ممتاز نظر آتی ہے، مذکورہ جہات پر غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ مرتب کتاب نے کس قدر محنت، اور جاں فشانی سے اس کتاب کو تیار کیا ہوگا، عصر حاضر میں بھلے ہی گوگل اور مکتبہ شاملہ کاپی پیسٹ اور پی ڈی ایف کتابوں تک رسائی نے اس طرح کے کاموں کو آسان بنا دیا ہے مگر اس کے باوجود اس طرح کے کاموں میں ہزاروں دشواریاں، شدید محنتیں اور قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں، سہولتیں جس قدر زیادہ ہوتی ہیں بسا اوقات کام اسی قدر دشوار بھی ہوتا ہے۔

اس کتاب کے مرتب شہزادہ رئیس ملت، حضرت مولانا سید **نظامی اشرف** اشرفی الجیلانی

میرانی صاحب ہیں، جنھوں نے اپنی تعلیم کے کچھ مہ وسال دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی یوپی میں گزارے ہیں، خانوادہ رئیس ملت میں آپ شروع ہی سے ایک الگ طرح کے مزاج وانداز کے مالک رہے، سنجیدہ، شریف، خاموش طبیعت، علم دوست، علما نواز تھے، زمانہ طالب علمی ہی سے شعر وسخن اور اردو، عربی، فارسی ادب سے گہرا تعلق تھا، کچھ نہ کچھ لکھتے پڑھتے رہتے تھے، اسی جذبہ وشوق اور ادب نوازی نے یاوری کی، آج بھی مسلسل لکھ رہے ہیں، ترجمہ، تحقیق، تخریج، تشریح، تفسیر وغیرہ متعدد شعبہاے تصنیف وتحقیق میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اب تک باضابطہ آپ کی کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کر سکا تھا، پہلی بار آپ کی اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ یہ سب ان پر ان کے رب کا کرم ہے، رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص عنایت ہے اور بزرگوں کا سایہ رحمت ہے، ورنہ:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خداے بخشندہ

یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ اس کتاب کی تصحیح وتصدیق کا کام استاذ گرامی وقار، محقق عصر، فقیہ اہل سنت، حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین قادری صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی نے فرمائی ہے، جس کی وجہ سے اس کتاب کی عظمت وافادیت مزید دوبالا ہوگئی ہے، ساتھ ہی اس کا درجہ استناد بھی بڑھ گیا ہے۔

رب کریم آپ کو جزاے خیر عطا فرمائے، مزید خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے، اس طرح کے کاموں کی سعادت بخشے، نیت میں اخلاص پیدا فرمائے، بزرگوں کی عنایات سے بہرہ ور فرمائے۔

کمال احمد علیمی نظامی
دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی یوپی
۳۰ ذوالحجہ ۱۴۴۵ھ/ ۷ جولائی ۲۰۲۴ء

﴿تقدیم﴾

محقّق عصر، فقیہ اہل سنّت، استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین قادری
دامت برکاتھم العالیہ صدر شعبۂ افتاء و شیخ الحدیث دار العلوم علیمیہ جمد اشاہی، بستی یو پی۔

❁❁❁

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَلَّ شَانُہٗ وَتَقَدَّسَتْ اَسْمَاءُہٗ. وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ. وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ نَصَرُوا الدِّیْنَ الْحَقَّ رَفَعُوْا لِوَاءَہٗ.

اس وقت میرے پیشِ نظر احادیثِ نبویہ (علی صاحبھا الف الف سلام وتحیۃ) کا ایک خوب صورت اور حسین مجموعہ ہے جس میں چالیس ایسی حدیثوں کو منتخب کر کے جمع کیا گیا ہے جن کو محدثین کرام اپنی زبان میں ”حدیث قُدسی“ سے موسوم کرتے ہیں۔ اس مجموعہ کو مرتب کرنے اور معلومات افزا افادات وتشریحات سے مزین کرنے کا کارنامہ شہزادۂ حضور رئیس ملّت مدظلہ العالی عزیز اسعد حضرت سید نظامی اشرف اشرفی الجیلانی سلمہ ربہ نے انجام دیا ہے۔

سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین کے ارشادات وفرمودات کو یاد کرنے اور اُس کو دوسروں تک پہونچانے کی سعادت ایسے خوش نصیبوں کو میسر آتی ہے جن کے حق میں خود محبوب رب العالمین ﷺ نے خصوصی دعا کی ہے، سنن ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ

تعالی عنہ سے روایت ہے: **”نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ“۔ [سنن الترمذی: کتاب العلم، حدیث نمبر ۲۶۵۸]** (اللہ تعالی اس شخص کو تر وتازہ رکھے جو میری حدیث غور سے سُنے اور اُس کو محفوظ رکھے اور دوسروں تک پہنچائے، کیوں کہ بہت سے ایسے علم کی سمجھ رکھنے والے اس تک پہونچا دیتے ہیں جو اُن سے زیادہ سمجھ رکھتے ہیں)

حدیثِ مذکور کے کلماتِ سے ظاہر ہے کہ اس دعائے نبوی میں شمولیت کی سعادت ایسے لوگوں کو بھی میسر ہوگی جو چند حدیثیں یاد کر کے دوسروں کو اس سے نفع پہونچانے کی ارجمندی حاصل کرلیں، بلکہ اللہ کریم کے فضل عمیم سے امید قوی ہے کہ نیک نیتی سے ایک حدیث یاد کر کے اس کو دوسروں تک پہونچانے والا بھی اس سعادت سے محروم نہ رکھا جائے گا۔ لیکن اُن خوش نصیبوں کو حضور اکرم ﷺ نے مزید جاں فزا بشارت سے نوازا ہے جو آپ کی چالیس حدیثیں محفوظ کر کے دوسروں تک پہونچانے کا اعزاز حاصل کریں۔ یہاں امام ابو زکریا محی الدین یحیی بن شرف نووی رحمہ اللہ القوی کی شہرۂ آفاق تصنیف ”الاربعون النوویۃ“ سے کچھ اقتباسات ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا، علامہ نووی علیہ الرحمہ اپنی ”اربعین“ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو درداء، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ تعالی عنھم وارضاھم عنا) سے متعدد اسناد وطرق سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **”مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا مِنْ اَمْرِ دِیْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِیْهًا وَعَالِمًا“**۔ (میری امت کے جس خوش نصیب نے اپنے دین سے متعلق میری چالیس حدیثیں یاد کیں تو قیامت کے دن اللہ تعالی اس کو فقہاء اور علماء کی جماعت میں اٹھائے گا) اور ایک روایت میں ہے: **”بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِیْهًا وَعَالِمًا“** (اللہ تعالی اس کو فقیہ اور عالم بنا کر اٹھائے گا) اور حضرت ابو درداء رضی

اللہ تعالی عنہ کی روایت میں ہے: ''كُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعاً وَ شَهِيْدًا (میں روز قیامت اس کو اپنی شفاعت اور گواہی سے سرفراز کروں گا) اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں ہے: ''كُتِبَ فِيْ زُمْرَةِ الْعُلَمَاءِ وَ حُشِرَ فِيْ زُمْرَةِ الشُّهَدَاءِ'' (اس کا نام جماعتِ علماء میں درج کیا جائے گا اور اس کا حشر گروہِ شہداء میں ہوگا) [الاربعون النوویۃ، مقدمۃ]

اس حدیث کے متعدد طرق میں وارد الفاظ وکلمات میں فرق کے بیان کے بعد علامہ نووی رحمہ اللہ تعالی نے تحریر فرمایا:

''حُفّاظِ حدیث اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث کثرتِ طرق سے مروی ہونے کے باوجود ضعیف ہے'' (ایضا)

لیکن اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کے باوجود علامہ نووی علیہ الرحمہ نے اپنی اربعین مرتب کرنے کی درج ذیل توجیہیں فرمائیں:

(۱) متقدمین محدثین کی جماعت ہو یا متاخرین محدثین کی جماعت، اِن دونوں ہی جماعتوں کے اتنے کثیر افراد نے چالیس احادیث کا مجموعہ مرتب کرنے کا اہتمام فرمایا ہے جن کو شمار بھی نہیں کیا جاسکتا، اور جن میں درج ذیل نامور محدثین کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:

☆ امام المحدثین حضرت عبد اللہ بن مبارک ☆ عالم ربانی حضرت محمد بن اسلم طوسی ☆ حسن بن سفیان نسائی ☆ ابو بکر آجری ☆ ابو بکر بن ابراہیم اصفہانی ☆ دارقطنی ☆ حاکم نیشاپوری ☆ ابو سعید مالینی ☆ ابو عثمان صابونی ☆ عبد اللہ بن محمد انصاری اور ابو بکر بیہقی رحمہم اللہ تعالی۔

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالی کی تحقیق کے مطابق اس بارے میں سب سے پہلے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالی نے کتاب تصنیف کی ہے، اس کے بعد محمد بن اسلم طوسی نے اربعین مرتب کیا اور اس کے بعد حسن بن سفیان وغیرہ نے اس بارے میں کتابیں تصنیف کیں۔

علامہ نووی علیہ الرحمہ نے فرمایا: چوں کہ بے شمار جلیل الشان محدثین نے چالیس حدیثوں پر مشتمل مجموعہ مرتب کرنے کا اہتمام فرمایا تو میں نے بھی اُن کی اقتداء اور پیروی کرتے ہوئے چالیس حدیثوں کا مجموعہ مرتب کیا۔

(۲) چالیس حدیثوں کو جمع کرنے کی فضیلت پر مبنی حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال کے بارے میں مروی ضعیف حدیثیں بھی مقبول ہوتی ہیں۔

(۳) چالیس حدیثوں کو محفوظ کرنے کی فضیلت پر دلالت کرنے والی مذکور حدیث سے اگر قطعِ نظر کرلیا جائے تو احادیث کا مجموعہ مرتب کرنے کے بارے میں صحیح حدیثیں بھی وارد ہیں، مثلا: ''لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ'' [صحیح البخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر ۶۷] اور ''نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَوَعَاهَا فَأَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا'' [سنن الترمذی] لہذا اگر چہل احادیث کی فضیلت پر کوئی خاص حدیث نہ بھی ہوتی تو یہ احادیث صحیحہ اس عمل کے ثبوت کے لیے کافی ہے، کیوں کہ اِن احادیث صحیحہ میں مذکور عموم میں چالیس حدیث کا مجموعہ بھی شامل ہے۔

علامہ نووی علیہ الرحمہ مزید تحریر فرماتے ہیں:

''پھر علماء نے متعدد مضامین سے متعلق چالیس احادیث جمع کرنے کا اہتمام فرمایا، بعض نے اصول دین میں چالیس احادیث کا مجموعہ مرتب کیا، بعض نے فرعی مسائل میں، بعض جہاد کے بارے میں، بعض نے زہد وتقوی کے بارے میں، بعض نے آداب اور طرزِ معاشرت کے بارے میں، بعض نے خطبات کے بارے میں چالیس احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا اور یہ سب پاکیزہ مقاصد ہیں اللہ تعالی اِن سب کو اپنی رضا اور خوشنودی سے نوازے'' [الاربعون النوویہ، مقدمہ]

بے حد خوشی اور شادمانی کا مقام ہے کہ فاضل گرامی مرتبت، شہزادۂ حضور رئیس ملّت مدظلہ العالی عزیز اسعد حضرت سید نظامی اشرف اشرفی الجیلانی سلمہ ربہ نے بھی اربعین نویسی کی سلسلۃ الذہب

میں ایک نئی کڑی کا اضافہ کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے، فاضل موصوف کو شعر وسخن اور قرطاس وقلم کی دنیا سے غیر معمولی دلچسپی اور وابستگی ہے۔ مسرت بالائے مسرت یہ ہے کہ عزیز موصوف عام خانقاہی مزاج سے ہٹ کر بحمدہ تعالی پیہم قلمی جدو جہد کے ذریعہ اسلام وسنیت کی نشر واشاعت میں مصروف عمل ہیں، اس سے قبل انھوں نے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی علیہ الرحمہ کی کتاب ''مناقب السادات'' کا اردو ترجمہ ''مناصب السادات'' کے نام سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، جس کو عوام وخواص میں بڑی پذیرائی نصیب ہوئی اور جس کی مقبولیت کا اندازہ لگانے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ اُن کا یہ ترجمہ بیرونِ ہند بھی شائع ہو چکا ہے۔ فاضل موصوف کو احادیثِ نبویہ سے خصوصی دلچسپی ہے، بحمدہ تعالی انھوں نے احادیث کی اولین کتابوں میں شمار کی جانے والی کتاب ''صحیفۂ ہمام بن منبہ'' کا اردو ترجمہ اور اس کی توضیح وتشریح کا کام بھی مکمل کرلیا ہے جس کے بارے میں توقع ہے کہ اہلِ علم اس کو خدمت حدیث کے باب میں ایک گراں بہا اضافہ کی نظر سے دیکھیں گے، ان شاء اللہ الرحمن جلد ہی طباعت کے مرحلہ سے گزر کر اردو داں حلقہ کی ضیافتِ طبع کا سامان ہوگی۔

احادیثِ قدسیہ کے اس خوب صورت مجموعہ میں بیشتر حدیثیں صحیحین یعنی: بخاری شریف اور مسلم شریف سے لی گئی ہیں، نیز دیگر معتبر کتبِ حدیث سے بھی کچھ حدیثیں لی گئی ہیں، فاضل مولف نے اس کا التزام کیا ہے کہ ہر حدیث کا مکمل حوالہ درج کر دیا ہے نیز فاضل موصوف نے احادیث کا سلیس اردو ترجمہ کرنے کے ساتھ کتبِ احادیث کی مستند ترین شروح اور دیگر کتبِ معتبرہ کی مدد سے ہر حدیث سے متعلق معلومات افزا معلومات اور ضروری تشریحات یکجا کر دی ہیں۔ مضمون کو سہل اور دلنشیں بنانے کے لیے فاضل گرامی قدر نے کہیں کہیں سوال اور جواب کے عنوان سے مطالب کی توضیح وتشریح فرمائی ہے جو بلاشبہہ عام قارئین کے لیے معلومات افزا ثابت ہوگی۔

اپنے اس مجموعہ کے لیے انھوں نے انتہائی خوب صورت اور دلکش نام ''الافق الاعلی فی

انارۃ ماروی النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم عن ربہ تعالی'' منتخب کیا ہے جس میں براعت استہلال کی صنعت صاف جھلک رہی ہے اور جس سے ادبی ذوق رکھنے والا محظوظ ہوئے بغیر نہیں رکھ سکتا۔

یہ بھی ایک انتہائی دلچسپ اور حیرت انگیز اتفاق ہے کہ فاضل مولف نے احادیث کی تشریحات کے ضمن میں جن احادیث کے متون ذکر کیے گیے ہیں یا جن احادیث کا ترجمہ پیش کیا ہے یا جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اُن کی مجموعی تعداد بھی چالیس تک پہونچتی ہے اور اس طرح فاضل موصوف نے ایک اربعین کے ساتھ دوسری اربعین پیش کرنے کا بے مثال کارنامہ انجام دینے کی سعادت حاصل کی ہے جس پر وہ بجا طور پر بے حد تحسین وستائش کے مستحق ہیں۔ **جزاہ اللہ تعالی عنا وعن المسلمین خیر الجزاء۔**

رب قدیر سے دعا ہے کہ فاضل مولف کی اس قلمی کاوش کو شرفِ قبول سے نوازے اور عوام وخواص میں پذیرائی عطا فرمائے۔

محمد نظام الدین قادری

خادم درس وافتاء دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی، یوپی۔

۸/ذوالحجہ ۱۴۴۵ھ// ۵/جولائی ۲۰۲۴ء

﴿حدیث القدسی نمبر:۱﴾

زمانہ کو برا کہنا باری تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے

{۱} عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: يُؤْذِيْنِي ابْنُ آدَمُ، يَسُبُّ الدَّهْرَ، وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِيْ الأَمْرُ، أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَ النَّهارَ۔[متفق علیه: صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۸۲۷، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۲۴۶]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم کی اولاد مجھ کو اذیت پہنچاتی ہے (کیوں کہ وہ) زمانہ کو گالی دیتی ہے حالاں کہ میں زمانہ (کا خالق ومدبر) ہوں اور تمام معاملات میرے ہی دستِ قدرت میں ہیں، میں اپنی قدرتِ کاملہ سے رات اور دن کو پلٹتا رہتا ہوں۔

تشریحات:

''يُؤْذِيْ'': یہ ''اِيْذاء'' سے بنا ہے اور ''ایذاء'' کا معنی: قول یا فعل سے کسی کو تکلیف پہنچانا، خواہ وہ اثر انداز ہو یا نہ ہو (اِيْصَالُ الْمَكْرُوْهِ اِلٰی الْغَيْرِ قَوْلاً أَوْ فِعْلاً، أَثَّرَ فِيْهِ أَوْ لَمْ يُؤَثِّرْ)

اعتراض: اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچانا شرعاً محال ہے تو پھر یہاں ''ایذاء'' کا کیا مطلب ہے؟

جواب: یہاں ''ایذاء'' سے مراد باری تعالیٰ کو تکلیف پہنچانا نہیں بلکہ اس کو ناراض کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ابن آدم اپنے ناپسندیدہ امر (قول و فعل) سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے۔

★ ''يَسُبُّ الدَّهْرَ'': لفظِ ''دھر'' ایک اسم ہے جو عالَم کی مدت بتاتا ہے، جیسا کہ قرآنِ پاک میں آیا ہے: {هَلْ اَتیٰ عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئاً مَّذْكُوْرا}[الانسان: ۱] **ترجمہ:** بے شک انسان پر ایک ایسا وقت گزر چکا ہے جس میں وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔

☆ ''دھر'' اور ''زمان'' میں فرق یہ ہے کہ ''دھر'' بول کر مدّتِ کثیر کا معنی ادا کیا جاتا ہے، جب کہ ''زمان'' مدتِ قلیل اور کثیر دونوں کے لیے آتا ہے۔

سوال: ''دھر'' کو گالی دینے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی عادت تھی کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی یا اُن میں کسی کی موت ہو جاتی تو زمانہ کو ازلی ابدی سمجھتے ہوئے یہ کہتے کہ زمانہ نے ہلاک کر دیا، یوں ہی وہ کہتے تھے: ''بُؤْساً لِلدَّھر''، ''تَبّاً لِلدَّھْرِ''، یعنی: خرابی ہو زمانہ کی، تباہی ہو زمانہ کی۔ اور وہ لوگ قضائے الٰہی کو نہیں مانتے تھے، اُن کے اسی اعتقادِ باطل کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {وَ قَالُوْا مَا هِیَ اِلّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ فِيْهَا وَ نَحْيٰى وَ مَا يُهْلِكُنَا اِلّا الدَّهْرُ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلّا يَظُنُّوْنَ}[الجاثیه: ۲۴] **ترجمہ:** اور انھوں نے کہا: زندگی تو صرف ہماری دنیاوی زندگی ہی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے اور انہیں اس بات کا کچھ علم نہیں وہ صرف گمان ہی دوڑاتے ہیں۔ واضح رہے کہ زمانہ کو فاعلِ حقیقی ماننے والوں کو دہریہ کہا جاتا ہے۔

سوال: باری تعالیٰ نے اپنے حق میں ''أنا الدَّھْر'' کہا، یعنی: میں زمانہ ہوں تو اِس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے علامہ خطابی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''أَنا صاحِبُ الدَّھْرِ وَ مُدَبِّرُ الاُمُوْرِ الَّتِيْ تَنْسِبُوْنَها اِلٰی الدَّھر'': یعنی: اس کا مطلب یہ ہے کہ میں زمانہ کا مالک ہوں اور میں اُن سارے امور کی تدبیر فرمانے والا ہوں جن کو تم زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہو۔ اور حاصل یہ ہے کہ جب اولادِ آدم زمانہ کو اس نظریہ کے ساتھ برا بھلا کہے کہ افعال و امور میں وہی موثر اور فاعلِ حقیقی ہے، حالاں کہ زمانہ فاعل نہیں، بلکہ زمانہ تو وہ ہے جس میں فعل صرف واقع ہوتا ہے اور سب کچھ کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، وہی ہے جو زمانہ کے اندر لوگوں کو خوشی یا غم پہنچاتا ہے اس لیے زمانہ کو برا کہنا اللہ تعالیٰ کو برا کہنا ہے اس لیے کہ ہر چیز کا وجود دینے والا حقیقت میں وہی ہے۔

★ "أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَ النَّهارَ": یعنی: میں اپنی قدرتِ کاملہ سے رات اور دن کو پلٹتا رہتا ہوں۔ مخفی نہ رہے کہ حدیث کے اس ٹکڑے میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ زمانہ کو برا کہنا کس طرح باری تعالی کو برا کہنا قرار پاتا ہے، تو اس کی توجیہ یہی ہے کہ زمانہ کی گردش رات اور دن پر مشتمل ہے اور رات دن کو یکے بعد دیگرے لانے والا باری تعالی ہے اس لیے زمانہ کو برا کہنا گویا زمانہ کو گردش دینے والی ذات کو برا کہنا ہے۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۲﴾

بندہ کو اپنے متعلق امور میں اللہ تعالی سے بہتر امید رکھنی چاہیے اور مشغولِ ذکر رہنا چاہیے۔

{۲} عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ، وَ أَنَا مَعَهُ إِذا ذَكَرَنِيْ، فَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهِ، ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَأٍ، ذَكَرْتُهُ فِيْ مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْهُم، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْراً، تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِراعاً. وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعاً، تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ باعاً، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً۔ [صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قوله {ويحذّركم الله نفسه} رقم الحديث: ۷۴۰۵]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: میرا بندہ میرے بارے میں جو گمان (یقین) رکھتا ہے میں اُس کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اور بندہ جب کبھی مجھے یاد کرے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اب اگر وہ مجھے تنہا یاد کرے تو میں بھی اس کو یوں ہی یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں اُس کو اس کی جماعت سے بہتر جماعت (یعنی: گروہِ ملائکہ) میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اُس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ قریب

ہوتا ہے تو میں اُس کی طرف دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر قریب ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ میرے پاس چلتا ہوا آتا ہے تو میں اُس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہوں۔

تشریحات:

☆ "أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ": اس حدیث قدسی میں باری تعالی نے اپنے بارے میں فرمایا کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے پاس ہوتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ میری ذات اور میرے فضل و کرم سے جیسی توقعات اور امیدیں رکھتا ہے میں اس کو عطا کرتا ہوں۔ اس لیے اس حدیث میں اس جانب لطیف اشارہ ہے کہ بندہ کو اللہ تعالی سے دنیا اور آخرت کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہیے، دنیا کے بارے میں اس طرح کہ اللہ عزوجل مجھے اپنے فضل سے نعمتیں عطا فرمائے گا اور آخرت کے بارے میں اس طرح کہ وہ مجھے اپنے فضل سے حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب فرما کر بہشت کی سرمدی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ محققین کے نزدیک اس حدیث میں مذکور "ظن" سے مراد بندہ مومن کی وہ آرزو ہے جو وہ دنیا سے رحلت کرتے وقت اپنے پروردگار سے رکھتا ہے، اس کی تائید مسلم شریف کی درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

★ "لا يَمُوْتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَ هُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللهِ عَزَّ وَ جَلَّ" [صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۲۸۷۷] یعنی: تمھاری موت بہر صورت اس حال میں ہی ہونی چاہیے کہ دنیا سے رحلت کرتے وقت تمھیں اللہ جل شانہ کے بارے میں حسنِ ظن کی نعمت میسر ہو۔

سوال: اس حدیث میں مذکور "ظن" کا کیا معنی ہے؟

جواب: علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی ابن ابو جمرہ رحمہ اللہ تعالی کا قول نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "المُرادُ بِالظَّنِّ هُنا العِلْمُ، وَهُوَ كَقَوْلِهِ: {وَ ظَنُّوْا أَنْ لا مَلْجَأَ مِنَ اللهِ إِلَّا إِلَيْهِ} [التوبہ: ۱۱۸] (ترجمہ: اور انھوں نے یقین کرلیا کہ اللہ کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں) یعنی: اس

حدیث میں ظن سے مراد علم یعنی یقین ہے، جیسا کہ آیتِ کریمہ {وَ ظَنُّوۡا اَنۡ لا مَلۡجَأَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیۡہِ} میں ظن سے مراد علم ہے۔ اور علامہ قرطبی علیہ الرحمہ نے ''المُفۡہِم'' شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کا مطلب یہ بتایا کہ بندہ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے دعا اور توبہ کے وقت اُن کی قبولیت کی امید رکھے، استغفار کرتے وقت اس کی مغفرت اور بخشش کی امید رکھے اور شرائطِ مطلوبہ کے ساتھ عبادت بجالاتے وقت اس کی طرف سے صلہ اور انعام کی امید رکھے، اس کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے: ''اُدۡعُوۡ اللّٰہَ وَ أَنۡتُمۡ مُؤۡقِنُوۡنَ بِالۡاِجابَۃِ'' [سُنن الترمذي: رقم الحدیث: ۳۴۷۹] (یعنی: اللہ تعالیٰ سے دعا اس یقین کے ساتھ کرو کہ وہ دعا قبول ہوگی) اب اگر کسی نے یہ اعتقاد یا گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ دعا قبول نہیں فرمائے گا اور دعا کچھ فائدہ نہ دے گی تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا ہے جو گناہِ کبیرہ ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ گناہوں کے اصرار کے ساتھ مغفرت کی امید رکھنا محض جہالت اور دھوکہ ہے۔ [ملخص از فتح الباری ج ۱۴ ص ۲۸۵، مکتبۃ الرسالۃ العالمیۃ]

سوال: اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ساتھ ہوتا ہے تو یہاں ساتھ ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بندہ جب میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کی حفاظت کرتا ہوں، جیسا کہ قرآن شریف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے بیان میں ہے: {قَالَ: لا تَخَافَا اِنَّنِیۡ مَعَکُما اَسۡمَعُ وَ اَرٰی} [طٰہٰ: ۴۶] (ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (اے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) تم دونوں ڈرو نہیں، بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، میں سُن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں) امام رازی علیہ الرحمہ ''اِنَّنِیۡ مَعَکُما'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''فَھُوَ عِبارَۃٌ عِنِ الحِراسَۃِ وَالحِفۡظِ، وَ عَلٰی ھٰذَا الوَجۡہِ یُقالُ: اللّٰہُ مَعَکَ عَلٰی وَجۡہِ الدُّعاءِ''۔ یعنی: آیتِ کریمہ میں معیت کا معنی نگہبانی اور حفاظت ہے، جس طرح بطور دعا ''اللّٰہُ مَعَکَ'' کہہ دیا جاتا ہے۔ یعنی: خدا تمھیں اپنی حفاظت میں رکھے۔

سوال: ''فَاِنۡ ذَکَرَنِيۡ فِيۡ نَفۡسِہٖ ذَکَرۡتُہٗ فِيۡ نَفۡسِيۡ'' کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس کی تشریح میں علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: ''أَيۡ: اِنۡ ذَکَرَنِيۡ بِالتَّنۡزِیۡہِ وَ التَّقۡدِیۡسِ سِرّاً ذَکَرۡتُہٗ بِالثَّوَابِ وَ الرَّحۡمَۃِ سِرّاً'' یعنی: اگر بندہ تنزیہ اور تقدیس کے ساتھ تنہائی میں مجھے یاد کرے تو میں بھی ثواب و رحمت کے ساتھ تنہائی میں اس کا ذکر کرتا ہوں (اور تنہائی میں ذکر سے مراد یہ ہے کہ اس ثواب سے کسی کو آگاہ نہیں کرتا ہوں)

نیز تحریر فرماتے ہیں کہ ابن ابو جمرہ نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ یہاں بھی وہ معنی مراد ہو جو آیتِ مبارکہ: {فَاذۡکُرُوۡنِیۡ أَذۡکُرۡکُم} [البقرۃ: ۱۵۲] میں مراد ہے، یعنی: تم تعظیم اور عبادت کے ساتھ مجھ کو یاد کرو میں انعام کے ساتھ تمھیں یاد کروں گا۔ [فتح الباری ج ۱۴ ص ۲۸۶، مکتبۃ الرسالۃ العالمیۃ]

فائدہ: اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ ذکرِ خفی کو ذکر جلی پر فضیلت حاصل ہے، کیوں کہ ذکرِ خفی کرنے والے بندہ کے خصوصی انعام کو باری تعالیٰ فرشتوں سے بھی صیغۂ راز میں رکھتا ہے۔

سوال: کیا ذکر کرنے والے فرشتے ذکر کرنے والے انسانوں سے افضل ہیں، کیوں کہ اس حدیث میں فرشتوں کی مجلس کو انسانوں کی مجلس سے افضل کہا گیا ہے؟

جواب: شارحِ بخاری علامہ ابن بطّال علیہ الرحمہ کا موقف یہی ہے کہ فرشتے بنو آدم سے افضل ہیں اور اسی کو انھوں نے بعض دلائل کی روشنی میں جمہور اہلِ علم کا مذہب قرار دیا ہے۔ لیکن صحیح اور جمہور اہلِ سنت کا مشہور موقف یہ ہے کہ نیک انسان دیگر تمام مخلوقات فرشتوں وغیرہ سے افضل ہیں۔ علامہ نجم الدین نسفی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''رُسُلُ البَشَرِ أَفۡضَلُ مِنۡ رُسُلِ المَلائِکَۃِ، وَرُسُلُ المَلائِکَۃِ أَفۡضَلُ مِنۡ عامَّۃِ البَشَرِ، وَعامَّۃُ البَشَرِ أَفۡضَلُ مِنۡ عامَّۃِ المَلائِکَۃِ'' [متن العقائد النسفیہ] یعنی: انسانوں میں جو انبیاء و مرسلین ہیں وہ بشمول رُسُل ملائکہ سب سے افضل ہیں۔ اور رُسُل ملائکہ عام انسانوں سے افضل ہیں اور عام انسان عام ملائکہ سے افضل ہیں۔ رُسُل ملائکہ سے رُسُل بشر کے افضل ہونے اور عام ملائکہ سے عام

انسانوں کے افضل ہونے کے بعض دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالی نے تمام فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا جو اُن کے افضل ہونے کی دلیل ہے، کیوں کہ تقاضائے حکمت یہی ہے کہ جس کے لیے سجدہ کا حکم دیا گیا وہ سجدہ کرنے والوں سے اعلی ہو، اسی وجہ سے قرآن حکیم میں ابلیس کا قول یوں بیان کیا گیا: {اَرَأَیْتَکَ ھٰذَا الَّذِيْ کَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِيْ اِلیٰ یَوْمِ القِیامَۃِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہُ اِلَّا قَلِیْلاً} [الاسراء: ۶۲] (ترجمہ: بولا، دیکھ تو جو یہ تو نے مجھ سے معزز رکھا اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو ضرور میں کچھ لوگوں کے سوا (یعني: اللہ کے نیکوکار بندوں کے سوا) اُس کی اولاد کو پیس ڈالوں گا)

اور ایک دوسرے مقام پر اس کا قول بیان کیا گیا: {قَالَ اَنا خَیْرٌ مِنْہُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نارٍ وَ خَلَقْتَہُ مِنْ طِیْنٍ} [الاعراف: ۱۲] (ابلیس بولا: میں اُس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اُسے مٹی سے بنایا)

(۲) آیتِ کریمہ: {وَعَلَّمَ آدَمَ الاَسْماءَ کُلَّھا۔۔۔} [البقرۃ: ۳۱] سے ہر اہلِ زبان یہی سمجھتا ہے کہ اس آیت سے فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی افضلیت کا اظہار مقصود ہے۔

(۳) ارشادِ باری تعالی ہے: {اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی آدَمَ وَ نُوْحاً وَ آلَ اِبْراھِیْمَ وَ آلَ عِمْرانَ عَلٰی العالَمِیْنَ} [آل عمران: ۳۳] (بے شک اللہ نے آدم اور نوح اور ابراہیم کی اولاد اور عمران کی اولاد کو سارے جہان والوں پر چُن لیا) اور ظاہر سی بات ہے کہ عالمین کے عموم میں فرشتے بھی شامل ہیں۔

(۴) انسان بہت سارے موانع و عوائق، مثلاً شہوت، غصہ اور بشری حاجتوں کی تکمیل کے باوجود ذکر و عبادت میں مشغول رہتا ہے اور اس طرح اس کو علمی اور عملی فضائل و کمالات حاصل ہوتے ہیں، جب کہ فرشتے اصل خلقت سے ذکر و عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

اعتراض: اس حدیث سے یہ لازم آتا ہے کہ فرشتوں کی مجلسوں کو صحابۂ کرام کی ذکر کی اُن مجلسوں پر بھی برتری حاصل ہو جس میں شہنشاہِ کونین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تشریف فرما رہے ہوں؟

جواب: اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: ”وَأَجابَ بَعْضُ أَھْلِ السُّنَّۃِ بِأَنَّ الخَبَرَ المَذْکُوْرَ لَیْسَ نَصّاً وَلا صَرِیْحاً فِيْ المُرادِ، بَلْ یَطْرُقُہُ احْتِمالُ أَنْ یَّکُوْنَ المُرادُ بِالمَلَأِ: الَّذِیْنَ ھُمْ خَیْرٌ مِنَ المَلَأِ الذَّاکِرِ: الاَنْبِیاءِ وَالشُّھَداءِ؛ فَاِنَّھُمْ أَحیاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ، فَلَمْ یَنْحَصِرْ ذٰلِکَ فِيْ المَلائِکَۃِ۔ وَأَجابَ آخَرُ، وَھُوَ أَقْوىٰ مِنَ الأَوَّلِ بِأَنَّ الخَیْرِیَّۃَ اِنَّما حَصَلَتْ بِالذَّاکِرِ وَالمَلَأِ مَعاً، فَاِنَّ الجانِبَ الَّذِي فِیْہِ رَبُّ العِزَّۃِ خَیْرٌ مِنَ الجانِبِ الَّذِيْ لَیْسَ ھُوَ فِیْہِ بِلا ارْتِیاب“ [فتح الباری ج ۱۴ ص ۲۸۸، مکتبۃ الرسالۃ العالمیۃ] یعنی: بعض اہلِ سنت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مذکورہ حدیث اس معنی میں صریح نہیں کہ ”ملأ خیر“ سے متعینہ طور پر فرشتوں کی مجلس ہی مراد ہو، بلکہ یہاں یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ جس جماعت کو ذکر کرنے والی جماعت سے افضل قرار دیا گیا ہے اس جماعت سے مراد انبیائے کرام اور شہدائے عظام ہوں، کیوں کہ وہ اپنے پروردگار کے حضور زندہ ہیں، لہذا وہ جماعت فرشتوں میں منحصر نہیں۔ اور ایک دوسرا جواب جو پہلے جواب سے زیادہ قوی ہے یہ ہے کہ بہتر ہونا یہ ذکر کرنے والے اور جماعت دونوں سے حاصل ہوتا ہے، لہذا بلاشبہہ ذکر کی وہ محفل جس میں باری تعالی کی طرف سے ذکر ہو بندہ کے محفلِ ذکر سے بہتر ہے۔

سوال: ”اِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ شِبْراً الخ“ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس میں بطورِ استعارہ امرِ معقول کو امرِ محسوس کی صورت میں بیان کیا گیا ہے اور عمل قلیل کو ایک بالشت یا ایک ہاتھ آگے بڑھنے اور سست رفتار والی چال سے تشبیہ دی گئی ہے اور باری تعالی کے عظیم اجر و صلہ کو ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کی مقدار بڑھنے اور دوڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بندہ کے حق میں ایک بالشت آگے بڑھنے سے عبادت میں ایک قدم بڑھانے

یا معمولی کوشش کا معنی مراد ہو اور باری تعالیٰ کے ثواب اور صلہ و انعام کو بطورِ مشاکلہ اسی طرح کے عمل سے تعبیر کر دیا گیا ہو، جس طرح آیتِ کریمہ: {اللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ}[البقرۃ:۱۵] میں ایک قول کیا گیا ہے۔اور جس طرح {ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسانِ اِلّا الْاِحْسانُ} اور {جَزاءُ سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِثْلُھا} میں صنعتِ مشاکلہ ہے۔ایک جواب یہ بھی ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے اور متشابہات کے بارے میں اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اُن کی مراد اللہ و رسول جانتے ہیں، ہاں اُن کی صداقت و حقانیت پر ہمارا ایمان ہے۔البتہ متاخرین کے مذہب کے مطابق اس کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا جلد قبول فرماتا ہے اور بندہ کے تھوڑے عمل پر عظیم ثواب عنایت فرماتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۳﴾

نیکیوں کی نیت پر بھی ثواب ملتا ہے

{۳} عَنِ ابْنِ عَبّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْھُما، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِیما یَرْوِي عَنْ رَّبِّہٖ عَزَّ وَ جَلَّ، قالَ، قالَ: اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الحَسَناتِ وَ السَّیِّئاتِ، ثُمَّ بَیَّنَ ذٰلِکَ، فَمَنْ ھَمَّ بِحَسَنَۃٍ، وَ لَمْ یَعْمَلْھا، کَتَبَھا اللّٰہُ لَہُ عِنْدَہُ حَسَنَۃً کامِلَۃً، فَاِنْ ھُوَ ھَمَّ بِھا، فَعَمِلَھا، کَتَبَھا اللّٰہُ لَہُ عِنْدَہُ عَشَرَ حَسَناتٍ اِلٰی سَبْعِ مِائَۃِ ضِعْفٍ اِلٰی أَضْعافٍ کَثِیْرَۃٍ۔ وَ مَنْ ھَمَّ بِسَیِّئَۃٍ، فَلَمْ یَعْمَلْھا، کَتَبَھا اللّٰہُ لَہُ عِنْدَہُ حَسَنَۃً کامِلَۃً، فَاِنْ ھُوَ ھَمَّ بِھا، فَعَمِلَھا کَتَبَھا اللّٰہُ سَیِّئَۃً وَّاحِدَۃً۔ [متفق علیہ، صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب مَنْ ھَمَّ بحسنۃ أو سیِّئۃ، رقم الحدیث: ۶۴۹۱، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۳۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی جس کو انھوں نے اپنے رب سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں کو لکھ دیا، پھر اُن کو بیان (واضح) کر دیا، لہٰذا جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس کو نہیں کیا

تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے پاس ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر اُس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اُس کو کر لیا تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے دس نیکیوں سے سات سو گنا، بلکہ اس سے بھی زیادہ لکھ دیتا ہے۔اور جس نے برائی کا ارادہ کیا پھر اس کو نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو (برائی سے باز رہنے کو) اپنے پاس ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر اُس نے برائی کا ارادہ کیا اور اُس کو کر بھی لیا تو اسے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک ہی برائی لکھتا ہے۔

تشریحات:

سوال: ''فِیْ مایَرْوِیْہِ عَنْ رَّبِّہٖ'' کا کیا معنی ہے؟

جواب: اس کا معنی یہ ہے کہ یہ حدیث، احادیثِ قدسیہ میں سے ہے، یا پھر یہ بیانِ واقع ہے یعنی: اس بات کے بیان کے لیے ہے کہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درحقیقت فرمانِ خداوندی ہوتا ہے، واضح رہے کہ کسی حدیث کے حدیثِ قدسی ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے اقوال و ارشادات اللہ تعالیٰ کے اقوال و ارشادات نہیں، کیوں کہ خود باری تعالیٰ کا فرمان ہے: {وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی}[النجم: ۳،۴] یعنی: وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، یقیناً وہ وحی ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ ہر فرمانِ رسول وحیِ خداوندی ہے:

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

سوال: نیکیوں اور برائیوں کے لکھنے سے کیا مراد ہے:

جواب: علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ اس کا مطلب تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قَدَّرَھا وَ جَعَلَھا حَسَنَۃً، وَ کَذٰلِکَ السَّیِّئاتُ، قَدَّرَھا وَ جَعَلَھا سَیِّئَۃً''۔ یعنی: لکھنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کو مقدر کر دیا ہے اور انھیں نیکی بنا دیا ہے اور اسی طرح برائیاں ہیں کہ اُن کو بھی مقدر کر دیا ہے اور برائی

بنادیا ہے۔یعنی: اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے متعین فرمادیا ہے کہ کون سا عمل نیک ہے اور کون سا برا ہے۔

★ ''مَنْ ھَمَّ بِحَسَنَۃٍ۔۔۔'': یعنی: ''جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے''اس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لکھنے والے فرشتوں (کراما کاتبین) کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس نیکی کو لکھ لیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اُس نیکی کو مقدر کر دیا ہے جس کو کراماً کاتبین اس کی تقدیر جان لیتے ہیں۔

☆ ''فَإِنْ ھُوَ ھَمَّ بِھا فَعَمِلَھا۔۔۔'': یعنی: اور اگر اس نے نیکی کا ارادہ کیا، پھر اس کو کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے پاس سے دس گُنا نیکیوں سے سات سو گُنا نیکی، بلکہ اس سے بھی زیادہ لکھ دیتا ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل آیاتِ کریمہ میں نیکیوں کی تعداد میں اضافہ کا بیان موجود ہے:

(۱) {مَنْ جاءَ بِالحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھا وَمَنْ جاءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلا یُجْزیٰ اِلَّا مِثْلَھا وَھُمْ لا یُظْلَمُوْنَ} [الانعام: ۱۶۰] جو ایک نیکی لائے تو اُس کے لیے اُس جیسی دس نیکیاں ہیں اور جو بُرائی لائے تو اسے بدلہ نہ ملے گا مگر اسی کے برابر اور اُن پر ظلم نہ ہوگا۔

(۲) {مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشاءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ} [البقرہ: ۲۶۱] اُن کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس دانہ کی طرح ہے جس نے ایسی سات بالیں اُگائیں، جن کی ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہے اس سے زیادہ بڑھائے اور اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔

☆ ''مَنْ ھَمَّ بِسَیِّئَۃٍ۔۔۔'': یعنی: جس نے کسی برائی کا ارادہ کیا، پھر اس کو نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اُس (برائی سے باز رہنے کو) اس کو ایک نیکی لکھتا ہے۔

اعتراض: جس طرح نیکی کا ارادہ (ھَمّ) معتبر ہوتا ہے، اور صرف نیکی کا ارادہ کرنے پر نیکی لکھ دی

جاتی ہے۔ایسے ہی برائی کا ارادہ (ھَمّ) بھی معتبر ہونا چاہیے اور برائی کے ارادہ پر ایک برائی لکھی جانی چاہیے؟

جواب: علامہ عینی علیہ الرحمہ اس اعتراض کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''ھٰذا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ عَلیٰ عِبادِہٖ حَیْثُ عَفا عَنْھُمْ، وَلَوْ لا ھٰذا الفَضْلُ العَظِیْمُ لَمْ یَدْخُلْ أَحَدٌ الجَنَّۃَ، لِاَنَّ السَّیِّئاتِ مِنَ العِبادِ أَکْثَرُ مِنَ الحَسَناتِ فَلَطَفَ اللّٰہُ بِعِبادِہٖ بِأَنْ ضاعَفَ لَھُمُ الحَسَناتِ دُوْنَ السَّیِّئاتِ'' [عمدۃ القاری، ۲۳/۱۲۲] یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل ہے کہ اُس نے بندوں کے گناہوں کے ارادوں کو معاف فرمایا: اور اگر یہ فضل عظیم نہ ہوتا تو کوئی جنت میں داخل نہیں ہو پاتا اس لیے کہ بندوں کی برائیاں اُن کی نیکیوں سے زیادہ ہیں تو اللہ نے اپنے بندوں پر اس طرح لطف فرمایا کہ اُن کی نیکیوں کو دو چند کر دیا اور برائیوں کو دو چند نہ کیا۔

اعتراض: جو بندہ برائی کا ارادہ کرے اور برائی نہ کرے تو اگر برائی نہیں لکھی جاتی تو نیکی بھی نہیں لکھی جانی چاہیے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے برائی سے بالقصد باز رہنا (کَفّ) بھی نیکی ہے، جیسا کہ نبی پاک ﷺ نے ایک حدیث میں برائی سے رُکنے کو بھی صدقہ فرمایا ہے: ''عَنْ أَبِیْ مُوْسیٰ الأَشْعَرِيِّ، قالَ، قالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَلیٰ کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَۃٌ، قالُوْا: فَإِنْ لَمْ یَجِدْ؟ فَیَعمَلُ بِیَدَیْہِ، فَیَنْفَعُ نَفْسَہٗ، وَیَتَصَدَّقُ، قالُوْا: فَإِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ یَفْعَلْ؟ قالَ: فَیُعِیْنُ ذا الحاجَۃِ المَلْھُوْفَ، قالُوْا: فَإِنْ لَمْ یَفْعَلْ؟ قالَ: فَلْیأمُرْ بِالمَعْرُوْفِ، قالَ: فَإِنْ لَمْ یَفْعَلْ فَلْیُمْسِکْ عَنِ الشَّرِّ، فَاِنَّ لَہٗ صَدَقَۃٌ''[صحیح البخاری، کتاب الادب، باب کل معروف صدقۃ، رقم الحدیث: ۶۰۲۲] یعنی: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ کرنا واجب ہے، صحابہ نے پوچھا، پس اگر وہ کوئی چیز نہ پائے؟ تو

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے ہاتھوں سے کام کرے اور اپنے آپ کو نفع پہنچا کر صدقہ کرے۔ صحابہ نے پوچھا اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے یا نہ کر سکے تو؟ آپ نے فرمایا: پھر وہ ضرورت مند مظلوم کی مدد کرے۔ صحابہ نے عرض کیا: اور وہ یہ بھی نہ کر سکے تو؟ آپ نے فرمایا: پھر وہ خیر کا حکم دے اور آپ نے فرمایا: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو برائی سے باز رہے یہی اُس کے لیے صدقہ ہے۔

فائدہ: واضح رہے کہ یہاں ”ھَمّ“ یعنی ارادہ اور ”عَزْم“ یعنی: پختہ ارادہ کہ اس کے لیے اسباب تیار کرنے لگے، اِن دونوں میں فرق ہے، اس لیے نیکی اور برائی کے ارادہ میں تو مذکورہ بالا فرق ہے۔ لیکن اگر کوئی برائی کا بھی عزم یعنی پختہ ارادہ کرلے تو گناہ ملے گا اگرچہ گناہ نہ کرے، لہٰذا جن احادیث میں ارادہ پر عتاب وعقاب کی بات کی گئی ہے وہاں ارادہ سے عزم یعنی پختہ ارادہ مراد ہے اور جہاں عفو ودرگزر کی بات کی گئی ہے وہاں محض ارادہ مراد ہے۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۴﴾

بہشت کی نعمتیں انسان کے خیالات وتصورات سے ماورا ہیں

{۴} عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ. قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: اقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ: {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ} [سورۃ السجدۃ: ۱۷] [صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ السجدۃ، رقم الحدیث: ۴۷۷۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سُنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل پر اُس کا خیال گزرا

ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ} [السجدۃ: ۱۷] تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک اُن کے لیے چھپا رکھی گئی ہے۔

تشریحات:

★ ”أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيْ...“۔ یعنی: میں نے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے۔ مسلم شریف کی ایک روایت میں اس ارشاد کا سبب بھی یوں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے سوال کیا کہ جنت میں سب سے بڑا مرتبہ کن لوگوں کا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ أَرَدْتُ، غَرَسْتُ كَرَامَتَهُمْ بِيَدِيْ، وَخَتَمْتُ عَلَيْهَا، فَلَمْ تَرَ عَيْنٌ، وَلَمْ تَسْمَعْ أُذُنٌ، وَلَمْ يَخْطُرْ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ، قَالَ: وَمِصْدَاقُهُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ} [صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۸۹]“ یعنی: وہ وہی لوگ ہیں جن کو میں نے منتخب کرلیا ہے اور اُن کی تکریم کا پودا اپنے ہاتھ سے اُگایا ہے اور اُس پر مہر لگا دی ہے، اس لیے نہ تو کسی آنکھ نے اس کو دیکھا، نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اُس کا خیال گزرا۔

اعتراض: اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ صالحین کے لیے یہ گراں بہا نعمتیں ہیں، لیکن انبیائے کرام، صدّیقین اور شہدائے عظام کا ذکر نہیں ہے؟

جواب: انبیاء، صدّیقین اور شہداء سب صالحین میں بدرجۂ اولیٰ داخل ہیں۔ قرآن حکیم میں انبیائے کرام کو بھی صالحین کی جماعت سے شمار کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِيْنَ} [الانعام: ۸۵] اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ الیاس تمام صالحین میں سے ہیں۔

سوال: جنت کی نعمتوں کے لیے "ما لا عَینٌ رَأتْ" وغیرہ صفات ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: جنت کی نعمتوں کے بارے میں جو یہ ذکر کیا گیا کہ اُن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سُنا، اور نہ کسی بشر کے دل پر اس کا خیال گزرا تو اس میں حکمت یہ ہے کہ بندوں کو کثرتِ عبادات کی ترغیب وتشویق ہو، اس لیے کہ جب لوگوں کو یہ بتادیا گیا کہ تم دنیا کی جن نعمتوں میں لذت پاتے ہو اُن کے مقابلہ میں جنت کی نعمتوں کی جو لذت ہے وہ بے مثال اور بیان سے باہر ہے اور دنیا کی نعمتیں ان کے سامنے بے وقعت ہیں تو انسان کثرتِ عبادات کے ذریعہ جنت اور اُس کی نعمتوں کے حصول کی خوب خوب کوشش کرے گا۔

اعتراض: کیا جنت کی نعمتوں کی لذت سے فرشتے آگاہ ہیں، کیوں کہ حدیث میں صرف بشر کا ذکر ہے؟

جواب: بعض لوگوں نے کہا کہ فرشتے اُن نعمتوں کو جانتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں، کیوں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں: "وَ لا یَعْلَمُہٗ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَ لا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ" یعنی: اُن نعمتوں کو نہ کوئی فرشتہ جانتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔ یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ پر موقوف ہے، آپ نے فرمایا: تورات میں لکھا ہوا تھا، پھر پوری حدیث بیان کی [المستدرک للحاکم، ۲/۴۱۴ بحوالہ فتح الباری ۱۴/۱۴۴]

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالی خاص بشر کے ذکر کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "لِاَنَّھُمْ ھُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِما اُعِدَّ لَھُمْ" یعنی: چوں کہ انسان ہی اُن نعمتوں سے لطف ہوں گے جو جنتیوں کے لیے تیار کی گئی ہیں، اس لیے خاص بشر کا ذکر کیا گیا۔ [عمدۃ القاری ۱۵/۲۱۰، مکتبہ دار الکتب العلمیہ]

﴿حدیث القدسی نمبر: ۵﴾

اللہ اپنے محبوب بندہ کو دیگر بندوں میں ہر دلعزیز بنا دیتا ہے

{۵} عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: اِذا أَحَبَّ اللّٰهُ العَبْدَ نَادیٰ جِبْرِیْلَ: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلاناً، فَأَحْبِبْهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ، فَيُنادِيْ جِبْرِيْلُ فِيْ أَهْلِ السَّماءِ: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلاناً، فَأَحِبُّوْهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّماءِ، ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ القَبُوْلُ فِيْ الأَرْضِ۔ [صحيح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، رقم الحدیث: ۳۲۰۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالی کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو ندا دیتا ہے اور فرماتا ہے: اے جبریل! اللہ تعالی فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو تو جبریل علیہ السلام اُس بندہ سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبریل علیہ السلام آسمان والوں میں ندا کرتے ہیں: بے شک اللہ تعالی فلاں سے محبت کرتا ہے تم سب بھی اُس بندہ سے محبت کرو تو آسمان والے اُس سے محبت کرتے ہیں، پھر روئے زمین میں بھی اُس کو مقبولیت عطا کر دی جاتی ہے۔

تشریحات:

سوال: محبت دل کے میلان کا نام ہے اور اللہ تعالی قلب اور اُس کی کیفیتوں سے منزہ ہے تو بندہ سے اُس کی محبت کا کیا معنی ہے؟

جواب: یہاں محبت کی غایت مراد ہے، یعنی اللہ تعالی اپنے اُس بندہ کو اپنا مقرب بنالیتا ہے اُس پر انعام اور بخشش فرماتا ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: "مَحَبَّةُ اللّٰهِ لِلْعَبْدِ اِيْصالُ الخَيْرِ بِالتَّقَرُّبِ وَ الاِثابَةِ" [عمدة القاری ج۲۵ ص۲۳۳ دار الکتب العلمیۃ] یعنی: اللہ تعالی کا اپنے بندہ سے

محبت کرنے کا معنی اُس کو اپنا مقرب بنا کر خیر پہنچانا اور صلہ دینا ہے۔ اور شیخ ابو محمد بن ابو جمرہ رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: ”وَفِیْ تَعْبِیْرِہٖ عَنْ کَثْرَۃِ الْاِحْسَانِ بِالْحُبِّ تَانِیْسُ الْعِبَادِ وَاِدْخَالُ الْمَسَرَّۃِ عَلَیْہِمْ؛ لِاَنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَمِعَ عَنْ مَوْلَاہُ اَنَّہٗ یُحِبُّہٗ حَصَلَ عَلٰی اَعْلَی السُّرُوْرِ عِنْدَہٗ“ یعنی: حدیث میں کثرت انعام واحسان کو محبت سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ بندوں کو مانوس کیا جائے اور اُن کو خوش کیا جائے، کیوں کہ بندہ جب اپنے آقا کے بارے میں یہ سنتا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے تو اس کو بے پناہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔

شیخ نے مزید آگے فرمایا: ”وَھٰذَا اِنَّمَا یَتَاَتّٰی لِمَنْ فِیْ طَبْعِہٖ فُتُوَّۃٌ وَمُرُوْءَۃٌ وَحُسْنُ اِنَابَۃٍ، کَمَا قَالَ تَعَالٰی: {وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ} [غافر: ١٣] یعنی: یہ مقام ومرتبہ اسی بندہ کو میسر ہوسکتا ہے جس کی طبیعت میں انسانیت اور مروت ہو اور اللہ تعالی سے لو لگائے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی: {وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ} [غافر: ١٣] میں ہے۔ یعنی: نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں اللہ تعالی کی محبت کے سبب کو بھی بیان کیا گیا ہے، حضرت ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے: ”اِنَّ الْعَبْدَ لَیَلْتَمِسُ مَرْضَاۃَ اللّٰہِ تَعَالٰی، فَلَا یَزَالُ کَذٰلِکَ، فَلَیَقُوْلُ اللّٰہُ: یَا جِبْرِیْلُ اِنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا یَلْتَمِسُ اَنْ یُّرْضِیَنِیْ، اَلَا وَاِنَّ رَحْمَتِیْ عَلَیْہِ“۔ [جامع الاحادیث للسیوطی: رقم الحدیث: ٦٥٤٥] یعنی: بے شک بندہ اللہ تعالی کی رضا کا طلب گار رہتا ہے اور وہ اسی میں مسلسل لگا رہتا ہے تو اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: اے جبریل، بے شک میرا فلاں بندہ میری رضا کا خواہاں ہے، سُن لو یقینا میری رحمت اُس پر ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں کثرتِ نوافل کو اللہ عزوجل کے تقرّب اور محبت کا ذریعہ بتایا گیا ہے [دیکھیے صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۶۰۲]

★ ”نَادٰی جِبْرِیْلَ...“: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں حضرت جبریل علیہ

السلام کا مرتبہ دیگر ملائکہ سے بہت بلند ہے، کیوں کہ اللہ تعالی اُن کو ملأ اعلی میں اعلان کرنے کا اعزاز عطا فرماتا ہے۔

★ ”اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّہٗ“۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: ”رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلٰی فُلَانٍ، وَیَقُوْلُھَا حَمَلَۃُ الْعَرْشِ“۔ [جامع الاحادیث: رقم الحدیث: ٦٥٤٥] یعنی: حضرت جبریل کہتے ہیں فلاں پر اللہ تعالی کی رحمت ہو اور یہی دعا حاملین عرش بھی کرتے ہیں۔ نیز حضرت ثوبان کی روایت میں ”فِیْ اَھْلِ السَّمَاءِ“ کی بجائے ”فِیْ اَھْلِ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ“ ہے، یعنی: پھر جبریل علیہ السلام ساتوں آسمانوں میں ندا کرتے ہیں۔

★ ”فَیُحِبُّہٗ اَھْلُ السَّمَاءِ“: یعنی: آسمان کے فرشتے بھی اس سے محبت کرتے ہیں، فرشتوں کی محبت کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے اس بندہ کے لیے استغفار اور دعا کرتے ہیں۔

★ ”فَیُوْضَعُ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ“: یعنی: اُس بندہ کی محبت زمین والوں میں ڈال دی جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: {اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا} [مریم: ٩٦] بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو اللہ تعالی اُن کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا فرما دے گا۔ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: ”وَیُعْلَمُ مِنْہُ مَنْ کَانَ مَقْبُوْلَ الْقُلُوْبِ ھُوَ مَحْبُوْبُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ“۔ [عمدۃ القاری، ج ٢٥/٢٣٣] اور اس سے معلوم ہوا کہ جو بندگانِ خدا میں مقبول ہو وہ اللہ تعالی کا محبوب ہوتا ہے۔ جیسے محبوب الثقلین، محبوب سبحانی حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ سے دنیا بھر کے مسلمان محبت کرتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ عزوجل اور اُس کے رسول ﷺ بھی اُن سے محبت فرماتے ہیں اور یوں ہی فرشتے بھی اُن سے محبت فرماتے ہیں۔ اس حدیث کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کا مقرب بندہ صالحین کے نزدیک مقبول ومحبوب ہوتا ہے اور اُس بندۂ صالح کی مقبولیت اُس کے انتقال کے بعد بڑھ جاتی ہے۔

حدیث القدسی نمبر:٦

صلہ رحمی کا انعام اور اس کے ترک کا انجام

{٦} عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ، فَأَخَذَتْ بِحَقْوِ الرَّحْمٰنِ، فَقَالَ لَهُ: مَهْ، قَالَتْ: هٰذَا مُقَامُ العَائِذِ بِكَ مِنَ القَطِيعَةِ. قَالَ: أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكَ، وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكَ، قَالَتْ: بَلٰى يَا رَبِّ، قَالَ: فَذَاكَ. قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: اِقْرَئُوْا اِنْ شِئْتُمْ: {فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ}[محمد: ٢٢] [صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة محمد، رقم الحديث: ٤٨٣٠]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور جب اس سے فارغ ہوگیا تو رحم (رشتہ) کھڑا ہوگیا اور اُس نے رحمن کی کمر پکڑ لی (یعنی: اُس نے انتہائی درد سے اللہ تعالی کی بارگاہ میں فریاد کی) تو اللہ تعالی نے فرمایا: ٹھہر جا، تو اُس نے کہا: رشتہ قطع کرنے سے تیری پناہ لینے والوں کی جگہ یہی ہے، فرمایا: کیا تو اس سے راضی نہیں کہ میں اُس سے تعلق جوڑوں (یعنی: مہربانی کروں) تو تجھے جوڑے اور اُس سے تعلق توڑ لوں جو تجھے توڑے؟ تو رشتہ نے عرض کیا: کیوں نہیں اے پروردگار، فرمایا: جا، ایسا ہی ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو پڑھو: {فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ}[محمد: ٢٢] اے منافقو! تم سے یہی توقع ہے اگر تم (قتال سے گریز کرکے بچ نکلو اور) حکومت حاصل کرلو تو تم زمین میں فساد ہی برپا کروگے اور اپنے (رشتہ داروں کے) رشتوں کو توڑ ڈالوگے۔

تشریحات:

★ ''قَامَتِ الرَّحِمُ'': ''رحم'' ایک عضو ہے لیکن وہ قرابت اور رشتہ کا سبب ہوتا ہے اس لیے اس کا معنی رشتہ بھی ہوتا ہے۔

سوال: ''رحم'' کے کھڑے ہونے اور کلام کرنے کا کیا معنی ہے؟

جواب: ''رحم'' کے کھڑے ہونے اور کلام کرنے کا ایک معنی یہ ہے کہ واقعی اُس نے اللہ تعالی کے حکم سے کھڑے ہوکر کلام کیا ہو۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''يَجُوْزُ أَنْ يَكُوْنَ المُرَادُ قَامَ مَلَكٌ مِنَ المَلَائِكَةِ وَتَعَلَّقَ بِالعَرْشِ وَتَكَلَّمَ عَلٰى لِسَانِهَا بِهٰذَا بِأَمْرِ اللّٰهِ''۔[عمدة القارى، ١٩/٢٤٦ دار الكتب العلمية] یعنی: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رحم کے کھڑے ہونے سے مراد یہ ہو کہ کوئی فرشتہ کھڑا ہو اور عرش سے چمٹ کر اللہ کے حکم سے رحم کی زبان سے عرض کرے۔

★ ''فَأَخَذَتْ بِحَقْوِ الرَّحْمٰنِ'': اس حدیث میں ''حقو'' کا لفظ ہے، جس کا معنی کوکھ اور کمر ہے اور باری تعالی اس سے منزہ ہے تو اب یا تو یہ کہا جائے کہ حدیث کا یہ ٹکڑا متشابہات میں سے ہے اور اس سے حقیقی مراد کیا ہے یہ اللہ تعالی اور اُس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بطور مجاز اس سے انتہائی الحاح وزاری کرنے کا معنی مراد ہو، کیوں کہ انسان انتہائی پریشانی کی صورت میں جب کسی کے پاس فریاد لے کر پناہ لینے جاتا ہے تو اُس کی کمر سے چمٹ جاتا ہے۔

سوال: قطع رحم یعنی رشتہ داری توڑنے کا کیا حکم ہے اور وہ کون لوگ ہیں جن سے صلہ کا حکم ہے؟

جواب: ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صلہ رحمی (رشتہ داری جوڑے رکھنا) واجب ہے اور قطع رحم حرام ہے اور جن رشتہ داروں کے ساتھ صلہ واجب ہے اُن کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا: وہ ذو رحم محرم ہیں (یعنی: جن سے نسبی تعلق ہو اور اگر جن سے دائمی طور پر نکاح حرام ہے) اور بعض نے فرمایا: اُن سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے نسبی تعلق ہو، خواہ وہ ایسے ہوں جن سے نکاح حرام ہو جیسے بھائی، بھتیجہ یا

نکاح حرام نہ ہو، جیسے چچازاد بھائی وغیرہ۔ اور ظاہر یہی دوسرا قول ہے، کیوں کہ احادیث مبارکہ میں مطلقاً رشتہ داروں کے ساتھ صلہ کرنے کا حکم آیا ہے، یوں ہی قرآنِ مجید میں مطلقا {ذَوِی القُربیٰ} ارشاد ہوا، مگر یہ ضرور ملحوظ رہے کہ چوں کہ رشتہ کے مختلف درجات ہیں اس لیے صلہ رحمی کے درجات میں بھی تفاوت ہے، صدر الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا: ”والدین کا مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے، اُن کے بعد ذو رحم محرم کا، اُن کے بعد بقیہ رشتہ داروں کا علی حسب مراتب“۔ [بہارِ شریعت ۱۶/۲۰۱، ۲۰۲]

★ {فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ۔۔۔} اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ثعلبی نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ تم اگر لوگوں کے حاکم ہو جاؤ گے تو زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور ظلم کرو گے۔ علامہ رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ”وَهٰذِهٖ آيَةٌ فِيهَا اِشارَةٌ اِلیٰ فَسادِ قَوْلٍ قالُوْهُ، وَهُوَ أَنَّهُمْ كانُوْا يَقُوْلُوْنَ: كَيْفَ نُقاتِلُ وَالقَتْلُ اِفْسادٌ وَالعَرَبُ مِنْ ذَوِيْ أَرْحامِنا وَقَبائِلِنا؟ فَقالَ تَعالیٰ: اِنْ تَوَلَّيْتُمْ لا يَقَعُ مِنْكُمْ اِلّا الفَسادُ فِي الاَرْضِ، فَاِنَّكُمْ تَقْتُلُوْنَ مَنْ تَقْدِرُوْنَ عَلَيْهِ وَتَنْهَبُوْنَهُ وَالقِتالُ واقِعٌ بَيْنَكُمْ، أَلَيْسَ قَتْلُكُمُ البَناتِ اِفْساداً وَقَطْعاً لِلرَّحِمِ“۔ [التفسير الكبير ۲۸/۶۳، دار الفكر] یعنی: یہ ایسی آیت ہے جس میں منافقین کے اس بکواس کے رد کی طرف اشارہ ہے جو وہ کہتے تھے کہ ہم جنگ کیسے کریں، کیوں کہ جنگ فساد برپا کرنا ہے اور عرب والے ہمارے رشتہ دار اور ہمارے قبیلوں سے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اگر تم حاکم ہو جاؤ گے تو تمہارے درمیان زمین میں فساد ہی برپا ہوگا، لہٰذا تم اُس وقت جس پر قدرت پاؤ گے اُس کو قتل کرو گے اور اس کا مال و اسباب لوٹو گے اور پھر قتل و خوں ریزی کے تو تم مرتکب ہو چکے، کیا تم جو بیٹیوں کو قتل کرتے ہو تو یہ فساد برپا کرنا اور قطع رحم نہیں ہے؟

﴿حدیث القدسی نمبر: ۷﴾

نماز پڑھنے والوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے

{۷} عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: يَتَعاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلائِكَةٌ بِاللَّيْلِ، وَمَلائِكَةٌ بِالنَّهارِ، وَيَجْتَمِعُوْنَ فِيْ صَلاةِ الفَجْرِ وَصَلاةِ العَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ، وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ، كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبادِي؟ فَيَقُوْلُوْنَ: تَرَكْناهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ، وَأَتَيْناهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ۔ [متفق عليه، صحيح البخارى، كتاب مواقيت الصلاة، باب فضل صلاة العصر، رقم الحديث: ۵۵۵، صحيح مسلم: ۱۴۳۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے باری باری آتے ہیں اور وہ فجر کی نماز میں اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں، پھر تمہارے درمیان رات گزارنے والے فرشتے اوپر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن سے سوال کرتا ہے حالاں کہ وہ اُن سے زیادہ جانتا ہے تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں ہم نے اُن کو اِس حال میں چھوڑا جب وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم اُن کے پاس اِس حال میں پہنچے جب وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

تشریحات:

سوال: اس حدیث میں ”یتعاقبون“ فعل مضارع، جمع کے صیغہ پر ہے حالاں کہ اس کا فاعل ”ملائکۃ“ اسم ظاہر ہے تو نحوی قاعدہ کے لحاظ سے فعل واحد ہونا چاہیے تھا؟

جواب: اس کے چند جواب دیے گیے ہیں (۱) ”یتعاقبون“ میں واو ضمیر فاعل نہیں، بلکہ محض علامتِ فاعل ہے، اور یہ بنو حارث قبیلہ کی زبان کے اعتبار سے ہے جس طرح ”اَكَلُوْنِيْ البَراغِيْثُ“ میں ہے۔

اور جس طرح قولِ باری تعالیٰ: {وَاَسَرُّوا النَّجْوَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا} میں بھی ایک قول یہی ہے۔(۲) فاعل ''ملائکۃ اللیل'' نہیں، بلکہ واو ضمیر فاعل اور مبدل منہ ہے اور ''ملائکۃ اللیل'' اس سے بدل واقع ہے۔(۳) واو ضمیر فاعل ہے اور اُس کے بعد ''ملائکۃُ اللَّیل'' ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہوا ''مَنْ ھُمْ'' تو جواب میں کہا گیا ''ھُمْ مَلائِکَۃُ اللَّیل''، اس اعتبار سے ''ملائکۃ اللیل'' مبتدائے محذوف ''ھُمْ'' کی خبر واقع ہے۔[فتح الباری]

سوال: حدیث میں مذکور ملائکہ سے کیا حفاظت پر مامور فرشتے مراد ہیں؟

جواب: قاضی عیاض وغیرہ شارحین نے جمہور کا یہی قول ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد حفاظت پر مامور فرشتے ہیں، لیکن علامہ قرطبی نے کہا کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد دوسرے فرشتے ہیں اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس پر چند تائیدیں ذکر کیں لکھتے ہیں:'' قالَ القُرْطُبِيُّ : الاَظْهَرُ عِنْدِيْ أَنَّهُمْ غَيْرُهُمْ، وَيُقَوِّيْهِ أَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ أَنَّ الحَفَظَةَ يُفارِقُوْنَ العَبْدَ، وَلا أَنَّ حَفَظَةَ اللَّيْلِ غَيْرُ حَفَظَةِ النَّهارِ، وَبِأَنَّهُمْ لَوْ كانُوْا هُمُ الحَفَظَةُ لَمْ يَقَعِ الاكْتِفاءُ فِي السُّؤَالِ مِنْهُمْ عَنْ حالَةِ التَّرْكِ دُوْنَ غَيْرِها فِيْ قَوْلِهِ: ''كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبادِي؟''۔ یعنی: علامہ قرطبی نے فرمایا: زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ اِن فرشتوں سے مراد محافظ فرشتے نہیں ہیں اور اس کی تائید اِن امور سے ہوتی ہے (۱) یہ منقول نہیں کہ محافظ فرشتے بندوں سے جدا ہوتے ہیں (جب کہ اس حدیث میں اُن کے جدا ہونے کی تصریح ہے) (۳) یہ بھی منقول نہیں کہ رات کے محافظ فرشتے دن کے محافظ فرشتوں کے علاوہ ہیں (حالاں کہ اس حدیث سے دونوں کا الگ الگ ہونا ظاہر ہے) (۳) ایک موید یہ بھی ہے کہ اگر مراد محافظ فرشتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ اُن سے صرف چھوڑنے کی حالت کے بارے میں یہ سوال نہ کرتا کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟[فتح الباری، کتاب مواقیت الصلاۃ]

★ ''يَجْتَمِعُوْنَ...'': یعنی: وہ فرشتے فجر کی نماز اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ان

نمازوں میں فرشتوں کے آنے جانے میں حکمت یہ ہے کہ اس طرح باری تعالیٰ اپنے بندوں پر کرم فرماتا ہے کہ خاص عبادت کے وقت فرشتوں کو بھیجتا اور بُلاتا ہے اور اِس طرح وہ فرشتے نیک بندوں کی طاعت پر گواہ بن جاتے ہیں۔

سوال: اس حدیث میں دِن میں بندوں کے ساتھ رہنے والے فرشتوں کے پرواز اور مکالمہ کا ذکر نہیں ہے تو کیا یہ گفتگو صرف رات گزارنے والے فرشتوں سے ہی ہوتی ہے؟

جواب: یہاں بر بنائے اختصار دو مِثلوں میں سے ایک پر اکتفا کیا گیا ہے، جس طرح آیت کریمہ: {وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الحَرَّ} میں ہے [اور اللہ نے تمھارے لیے کچھ ایسے لباس بنائے جو تمھیں گرمی سے بچاتے ہیں] اس آیت میں بھی اَحَدُ المِثْلین پر اکتفا کرتے ہوئے سردی سے حفاظت کرنے والے لباس کی صراحت نہیں ہے۔ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حدیث میں مذکور ''باتُوْا'' رات گزارنے کے معنی میں نہ ہو، بلکہ ٹھیرنے اور قیام کرنے کے معنی میں ہو اور اس کی تائید سنن نسائی کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ كانُوْا فِيْكُمْ''[سنن النسائی: رقم الحدیث: ۴۸۵] یعنی: پھر وہ فرشتے اوپر جاتے ہیں جو تمھارے ساتھ رہے۔

سوال: جاننے کے باوجود فرشتوں سے بندوں کا حال دریافت کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: فرشتوں سے اس سوال میں یہ حکمت ہوسکتی ہے تاکہ اُن پر بنو آدم کی فضیلت کو ظاہر کیا جائے۔

﴿حدیث القدسی نمبر:۸﴾

راہِ خدا میں خرچ کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے

{۸} عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ، قَالَ اللّٰهُ : أَنْفِقْ يا ابْنَ آدَمَ أُنْفِقْ عَلَيْكَ۔[صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاھل، رقم الحدیث: ۵۳۵۲]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم (میرے بندوں پر) خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا۔

فوائد:

(۱) اللہ تعالی کے خرچ اور بندوں کے خرچ کرنے میں زمین وآسمان سے زیادہ فرق بلکہ کوئی نسبت ہی نہیں ہے، کیوں کہ بندوں کا خزانہ متناہی ہے وہ خرچ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے، لیکن اللہ تعالی کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہوتی ہے، ایک حدیث میں ہے: ”یَدُ اللّٰہِ مَلأَیٰ، لا تَغِیْضُھا نَفَقَۃٌ“۔ یعنی اللہ تعالی کا دستِ قدرت ایسا بھرا ہوا ہے، جو خرچ کرنے سے کم نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید میں ہے: {مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَما عِنْدَ اللّٰہِ باقٍ} [النحل: ۹۶] جو تمھارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ تعالی کے پاس ہے باقی رہے گا۔

(۲) اس حدیث کا منطوق (مفہوم موافق) یہ ہے کہ جب تم بندگانِ خدا پر خرچ کروگے تو خدائے رزاق تم پر خرچ کرے گا اور اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر تم خرچ نہیں کروگے تو اللہ تعالی تم پر خرچ نہیں کرے گا اور اس کی تائید حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہما کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”لَا تُوْکِيْ فَیُوْکیٰ عَلَیْکِ“ [صحیح البخاری: حدیث نمبر ۱۴۳۳] یعنی: خزانے کی تھیلی باندھ کر نہ رکھو ورنہ تمھارے اوپر بھی خزانہ کی تھیلی باندھ دی جائے گی۔ یعنی: خرچ نہ کرنے سے من جانب اللہ تمھارے رزق میں کمی کر دی جائے گی۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۹﴾

اللہ تعالی شرک کرنے والے سے سخت بیزار ہے

{۹} عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قالَ، قالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ تَبارَکَ وَتَعالٰی: أَنا أَغْنَى الشُّرَكاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَکَ فِيْهِ غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ۔ [صحیح مسل، کتاب الزهد والرقائق، باب من أشرک في عمله غير الله، رقم الحديث: ۲۹۸۵]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: میں شرکاء کے شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں، جس نے کوئی ایسا کام کیا جس میں میرے علاوہ کسی کو میرے ساتھ شریک کیا تو میں اس کو اور اُس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں (یعنی: ایسے شخص اور اس کے اس عمل سے بیزار ہوں)

تشریحات:

سوال: ”أنا أغنى الشُّرَكاءِ عَنِ الشِّرْكِ“ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس کا حاصل مطلب ریاکاری کی مذمت ہے اور معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص خالص اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کے لیے عمل نہیں کرتا، بلکہ اس کا مقصد کسی اور کو خوش کرنا ہوتا ہے، مثلاً: کوئی اس لیے نماز پڑھے کہ لوگ اس کو نمازی کہیں تو اللہ تعالی ایسے شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا لہٰذا ہر شخص پر لازم ہے کہ ہر نیک عمل خالص اللہ تعالی کی رضا کے لیے کرے۔

فائدہ: ریاکاری سے بچنے کی ایک نہایت موثر تدبیر یہ ہو سکتی ہے کہ فرائض کے سوا ہر نیک عمل مخفی رکھا جائے۔ علامہ ابن الملقن علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: وہب بن الورد نے بیان کیا کہ ایک عالم نے اپنے سے بڑے عالم سے ملاقات کی تو اُن سے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، مجھے یہ بتایئے کہ میں کون

کون عمل پوشیدہ رکھوں؟ تو انھوں نے کہا: "تُخْفِيْ حَتّٰى يُظَنَّ بِكَ أَنَّكَ لَمْ تَعْمَلْ حَسَنَةً قَطُّ" یعنی: تم اپنے تمام نیک اعمال پوشیدہ رکھو، یہاں تک کہ تمھارے بارے میں یہ گمان کیا جائے کہ تم نے فرائض کے سوا کوئی نیکی کی ہی نہیں ہے۔ [التوضیح لشرح الجامع الصحیح ۲۹/۵۷۷ مکتبۃ وزارۃ الاسلامیۃ والشئون الاسلامیۃ]

لیکن یہاں یہ واضح رہے کہ یہ حکم عوام کے لیے ہے، خواص اس سے مستثنیٰ ہیں، لہٰذا خواص اپنے نوافل دکھا کر کریں یا چھپا کر کریں برابر ہے، کیوں کہ اُن کا مقصد ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ہے، نہ کہ مخلوق کو خوش کرنا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریاکار کا عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ علامہ نووی علیہ الرحمہ نے فرمایا: اِنَّ عَمَلَ المُرائِيْ باطِلٌ، لا ثواب، وَيَأْثَمُ بِهٖ"۔ یعنی: ریاکار کا عمل ضائع ہو جاتا ہے، اس کے عمل میں کوئی ثواب نہیں، بلکہ وہ اس سے گناہ گار ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید کی یہ آیت کریمہ بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ ریاکار کا عمل برباد ہو جاتا ہے: {مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ لَا يُبْخَسُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ [الھود: ۱۵، ۱۶] جو لوگ صرف دنیا کی زندگی اور اُس کی آسائش طلب کرتے ہیں تو ہم اُن کے کُل اعمال کا صلہ یہیں دیدیں گے اور یہاں اُن کے صلہ میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انھوں نے دنیا میں جو کام کیے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے۔

سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ" [صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعۃ، رقم الحدیث: ۶۴۹۹] یعنی: جو دکھاوا کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو رسوا کر دے گا۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۱۰﴾

آنکھوں کی نعمت سے محروم صبر کرنے والے مسلمان کا بے پایاں انعام

{۱۰} عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: اِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِيْ بِحَبِيْبَتَيْهِ، فَصَبَرَ، عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ۔ يُرِيْدُ عَيْنَيْهِ۔ [صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب مَنْ ذَهَبَ بصرہ، رقم الحدیث: ۵۶۵۳، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۴۰۰، مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۲۰۵۹]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب اپنے بندہ کو اُس کی دو محبوب چیزوں (یعنی آنکھوں) سے آزماتا ہوں اور وہ اس آزمائش پر صبر کرتا ہے تو میں اُس کو اُن دونوں کے بدلے جنت عطا کرتا ہوں۔

تشریحات:

☆ درج ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اس حدیث میں "حبیبتان" (دو محبوب چیزوں) سے مراد بندہ کی دونوں آنکھیں ہیں:

☆ امام بغوی روایت کرتے ہیں: حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اس وقت آپ کے پاس ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: "قَالَ رَبُّكَ عَزَّ وَ جَلَّ: اِذَا أَخَذْتُ كَرِيْمَتَيْ عَبْدِيْ لَمْ أَجِدْ بِهَا أَجْرًا اِلَّا الْجَنَّةَ"۔ یعنی: آپ کا رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب میں اپنے بندہ کی دونوں آنکھیں لیتا ہوں تو میں اُس کے لیے جنت کے سوا کوئی اجر نہیں پاتا ہوں۔

☆ نیز اس حدیث کے لیے شاہد سنن ترمذی کی حدیث نمبر ۲۴۰۱ ہے جو حضرت انس بن مالک

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

☆ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: میری آنکھ میں کچھ تکلیف ہوگئی، تو رسول اللہ ﷺ نے میری عیادت کی، پھر جب میری آنکھ ٹھیک ہوگئی تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے زید، یہ بتاؤ اگر تمھارے دونوں آنکھوں کے درمیان یہ تکلیف ہو جاتی تو کیا کرتے؟ حضرت زید بن ارقم نے عرض کیا: میں صبر کرتا اور حصولِ ثواب کی نیت کرتا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اِذاً لَقِیتَ وَلا ذَنۡبَ لَکَ''۔ [الادب المفرد: رقم الحدیث: ۵۳۲] یعنی: تب تم اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتے کہ تمھارا کوئی گناہ نہ ہوتا۔

☆ اِن احادیث سے معلوم ہوا کہ مصائب اور امراض پر صبر کرنے والے کا ثواب جنت ہے اور صبر کی نعمت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صبر کا عوض جنت فرمایا، دنیا میں انسان کے لیے اس کی آنکھیں بڑی نعمت ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بینائی کے لینے کی جزا جنت رکھی ہے۔ علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''فَأَخۡبَرَ الشَّرۡعُ کَما تَقَدَّمَ أَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ بَلاءً الاَنۡبِیاءُ، ثُمَّ الأَمۡثَلُ فَالاَمۡثَلُ، یُبۡتَلٰی الرَّجُلُ علٰی حَسَبِ دِیۡنِہٖ''۔ [التوضیح لشرح الجامع الصحیح] یعنی: شارع علیہ السلام نے خبر دی جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر آتے ہیں، پھر اُن کے بعد جو بہتر ہیں اور پھر وہ جو اُن کے بعد بہتر ہیں۔ آدمی جتنا دین دار ہوگا اسی اعتبار سے بلاؤں کا شکار ہوگا۔

ایک عبرت انگیز حدیث: ایک حدیث پاک میں ہے: ''قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ: یَوَدُّ أَھۡلُ العافِیَۃِ یَوۡمَ القِیامَۃِ حِیۡنَ یُعۡطٰی أَھۡلُ البَلاءِ الثَّوابَ لَوۡ أَنَّ جُلُوۡدَھُمۡ کانَتۡ قُرِضَتۡ فِیۡ الدُّنۡیا بِالمَقارِیۡضِ۔'' [جامع الترمذی، رقم الحدیث: ۲۴۰۲] یعنی: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب قیامت کے دن اہلِ بلا کو بدلہ دیا جائے گا تو عافیت میں رہنے والے لوگ آرزو کریں گے

کاش اُن کی کھالوں کو دنیا میں قینچیوں سے کاٹا گیا ہوتا۔

فائدہ: مذکورہ بالا احادیث سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جس کی بینائی چلی جائے یا اُس کے اعضاء میں کوئی عضو بے کار ہو جائے تو اُس کو چاہیے کہ وہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور ثواب کی نیت رکھے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کو بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۱۱﴾

کسی نعمت کے فوت ہونے پر صبر کرنے کا بے پایاں انعام

{۱۱} عَنۡ أَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ، أَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: یَقُوۡلُ اللّٰہُ تَعالٰی: مَا لِعَبۡدِیۡ المُؤۡمِنِ عِنۡدِیۡ جَزاءٌ إِذا قَبَضۡتُ صَفِیَّہُ مِنۡ أَھۡلِ الدُّنۡیا، ثُمَّ احۡتَسَبَہُ إِلّا الجَنَّۃَ۔ [صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب العمل الذي یبتغی بہ وجہ اللہ، رقم الحدیث: ۶۴۲۴]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب میں اپنے مومن بندہ کے خالص دوست (یعنی: بیٹا، بھائی وغیرہ) کو اٹھا لوں اور وہ اُس پر حصولِ ثواب کی نیت رکھے (صبر کرے) تو اُس کے لیے میرے پاس جنت کے سوا کوئی جزا نہیں ہے۔

تشریحات:

☆ علامہ عینی علیہ الرحمہ ''صَفِیّ'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''الحَبِیۡبُ المُصافِیۡ، کَالوَلَدِ، وَالاَخِ وَکُلُّ مَنۡ یُّحِبُّہ الاِنسانُ'' یعنی: صفی: وہ شخص جس سے مخلصانہ محبت ہو، جیسے: بیٹا، بھائی وغیرہ۔ اور ''احتساب'' کے معنی میں لکھتے ہیں: ''الاِحۡتِسابُ: طَلَبُ الاَجۡرِ مِنَ اللّٰہِ تَعالی خالِصا، وَاحۡتَسَبَ بِکَذا أَجۡراً عِنۡدَ اللّٰہِ، أَيۡ: نَوٰی بِہٖ وَجۡہَ اللّٰہِ'' [عمدۃ القاری ۲۳/۵۸، مکتبۃ دار الکتب العلمیۃ] یعنی: احتساب کا معنی یہ ہے کہ اللہ رب العزت سے خلوص سے صلہ مانگا جائے۔ اور ''احۡتَسَبَ بِکَذا

اَجر اَعِنْدَ اللہِ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی کام سے اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کرے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندۂ مومن کو اپنے کسی انتہائی محبوب کے فوت ہو جانے پر ناشکری کے الفاظ زبان پر نہیں لانے چاہییے، بلکہ صبر کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید رکھنی چاہیے اور جب بندہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۱۲﴾

انبیائے کرام کے مابین فضل میں موازنہ کی ایک ممنوع صورت

{۱۲} عَنِ ابْنِ عَبّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِیمَا یَرْوِیہِ عَنْ رَّبِّہٖ، قَالَ: لَا یَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ یَّقُوْلَ: اِنَّہٗ خَیْرٌ مِنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی، وَنَسَبَہٗ اِلٰی أَبِیْہِ۔ [صحیح البخاري، کتاب التوحید، باب ذکر النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وروایتہ عن ربّہ، رقم الحدیث: ۷۵۳۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی روایت اپنے رب عزوجل سے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کسی بندہ کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ میرے بارے میں یہ کہے کہ میں یونس بن مَتّٰی سے بہتر ہوں۔ اور اس حدیث میں حضرت یونس علیہ السلام کی نسبت اُن کے والد (مَتّٰی) کی طرف کی گئی۔

سوال: یہ سچا عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی علیہ السلام تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں تو پھر آپ نے اپنے آپ کو حضرت یونس علیہ السلام سے بہتر کہنے سے کیوں منع فرمایا؟

جواب: بلاشبہہ ہمارے نبی علیہ السلام تمام اولادِ آدم سے افضل ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے: ''اَنا سَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ، وَلا فَخْرَ'' [سنن ترمذی، حدیث نمبر ۳۱۴۸] یعنی: میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور یہ میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت یونس علی نبینا وعلیہ السلام سے بھی افضل ہیں، لیکن آپ نے تواضع وانکسار کے طور پر اپنے آپ کو حضرت یونس علیہ السلام سے بہتر کہنے سے منع فرمایا۔ ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مجھے یونس علیہ السلام پر اس طرح فضیلت نہ دو جو اُن کی تخفیفِ شان کو مستلزم ہو۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۱۳﴾

اللہ تعالیٰ سے ملاقات پسند کرنے والا محبوب بندہ ہے اور اُس کی ملاقات ناپسند کرنے والا ناپسند ہے

{۱۳} عَنْ أَبِيْ ہُرَیْرَۃَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ، قَالَ اللّٰہُ: اِذَا أَحَبَّ عَبْدِيْ لِقَائِيْ أَحْبَبْتُ لِقَاءَہٗ، وَاِذَا کَرِہَ لِقَائِيْ کَرِھْتُ لِقَاءَہٗ۔ [صحیح البخاري، کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ: {یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلَامَ اللّٰہِ} رقم الحدیث: ۷۵۰۴]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب میرا بندہ مجھ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے تو میں بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہوں اور جب میرا بندہ مجھ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو میں بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہوں۔

تشریحات:

☆ علامہ ابن الاثیر نے کہا: اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا مطلب یہ ہے کہ بندہ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف منتقل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر ہے اس کا خواہاں ہو اور اس سے مراد موت کی تمنا نہیں ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے، حدیث میں ہے: ''لَا یَتَمَنَّیَنَّ أَحَدُکُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِہٖ، فَإِنْ کَانَ لَا بُدَّ مُتَمَنِّیاً فَلْیَقُلْ: ''اَللّٰھُمَّ أَحْیِنِيْ مَا کَانَتِ الْحَیَاۃُ خَیْرًا لِيْ، وَتَوَفَّنِيْ إِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِيْ''۔ [صحیح البخاری، رقم الحدیث ۶۳۵۱]

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے اور اگر دعا کرنی ضروری ہو تو

یوں کرے: اے اللہ، جب تک میری زندگی بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ، اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو موت عنایت فرما۔ نیز ہر شخص موت کو ناپسند کرتا ہے، لہٰذا جس نے دنیا کو ترک کیا اور اُس سے متنفر رہا اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو محبوب رکھا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے۔ اور چوں کہ محبت میلانِ قلب کا نام اور اللہ تعالیٰ قلب اور اُس کی کیفیتوں سے منزہ ہے اس لیے جہاں کسی بندہ سے اس کی محبت کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے محبت کی غایت مراد ہوتی ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ اُس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اور اس کو انعامات سے سرفراز فرماتا ہے۔

☆ یہ بھی واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ موت کی تمنا کرے، کیوں کہ موت کی تمنا کرنا ممنوع ہے، جیسا کہ حدیث کے حوالہ سے اوپر مذکور ہوا۔ لیکن یہ ممانعت عام زندگی کی حالت میں ہے، کیوں کہ جب بندۂ مومن موت کے وقت فرشتوں کو دیکھتا ہے اور اُس کو اخروی انعامات دکھائے جاتے ہیں تو اس وقت وہ موت کی تمنا کرتا ہے، اس لیے یہ تمنا ممنوع نہیں، بلکہ مستحب ہے، قرآنِ مجید میں ہے: {لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ} [یونس: ۶۴] یعنی: اُن کے لیے دنیا کی زندگی میں بشارت ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی بشارت ہے۔ علامہ زمخشری نے اس کی تفسیر میں لکھا: عطاء بن ابی رباح نے "لَهُمُ الْبُشْرٰى" کی تفسیر میں کہا کہ موت کے وقت اُن کے پاس رحمت کے فرشتے آتے ہیں، چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ} اور آخرت میں اُن کی بشارت یہ ہے کہ فرشتے اُن مسلمانوں سے ملیں گے اور اُن کو کامیابی اور کامرانی کی بشارت دیں گے اور اُن کے چہرے پر سفیدی نظر آئے گی اور اُن کے اعمال اُن کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے۔ [تفسیر کشاف، ۴۶۸، دار المعرفۃ، بیروت]

﴿حدیث القدسی نمبر: ۱۴﴾

قیامت کے دن ہزار آدمیوں میں ایک جنتی ہوگا

{۱۴} عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: يَا آدَمُ، فَيَقُوْلُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ فِيْ يَدَيْكَ، فَيَقُوْلُ: أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ، قَالَ: وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ، فَعِنْدَهُ يَشِيْبُ الصَّغِيْرُ {وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا، وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ} [سورة الحج: ۲] قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَأَيُّنَا ذٰلِكَ الْوَاحِدُ؟ قَالَ: اَبْشِرُوْا، فَإِنَّ مِنْكُمْ رَجُلًا، وَمِنْ يَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ أَلْفٌ۔ ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ إِنِّيْ أَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَكَبَّرْنَا، فَقَالَ: أَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَكَبَّرْنَا، فَقَالَ: أَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنُوْا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَكَبَّرْنَا، فَقَالَ: مَا أَنْتُمْ فِي النَّارِ إِلَّا كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِيْ جِلْدِ ثَوْرٍ أَبْيَضَ، أَوْ كَشَعْرَةٍ بَيْضَاءَ فِيْ ثَوْرٍ أَسْوَدَ۔ [متفق علیہ، صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قصة یاجوج وماجوج، رقم الحدیث: ۳۳۴۸، صحیح مسلم: رقم الحدیث ۲۲۲]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم، تو وہ کہیں گے: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ (یعنی: میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں) اور تمام بھلائی تیرے دستِ قدرت میں ہے۔ وہ فرمائے گا: دوزخ میں جانے والوں کو نکال لو، وہ کہیں گے: دوزخ میں جانے والے کتنے ہیں؟ فرمائے گا: ہر ہزار میں نو سو ننانوے۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ (یہ بات سُن کر خوف کی وجہ سے) بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ عورت اپنا حمل گرا دے گی اور تم لوگوں کو مدہوش دیکھو گے اور وہ مدہوش نہیں

ہوں گے،لیکن اللہ تعالی کا عذاب بہت سخت ہے۔صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ ایک شخص ہم میں سے کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: تمھارے لیے خوش خبری ہے،تم میں سے ایک شخص ہوگا اور یاجوج ماجوج سے ہزار ہوں گے۔ پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، مجھے امید ہے کہ تم اہلِ جنت کے تہائی ہوگے، (صحابہ نے کہا) ہم نے اس وقت (فرطِ مسرت سے) اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہلِ جنت کے آدھے ہوگے، ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: تم لوگوں میں اسی طرح ہوگے جس طرح سفید بیل کے بدن میں ایک کالا بال ہو یا آپ نے یہ فرمایا: کہ جس طرح کالے بیل کے بدن میں ایک سفید بال ہو۔

تشریحات:

☆ "الخَیرُ بِیَدِیکَ": اس کا معنی یہ ہے کہ بھلائی میں تیرا کوئی شریک نہیں۔ "مابَعْثُ النَّار": اس میں "ما" برائے استفہام ہے اور "بعث" مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے اور اصل عبارت یہ ہوگی: "مَا مِقْدارُ المَبْعُوْثِ فِيْ النَّار"؛ یعنی: حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے، جو لوگ دوزخ میں بھیجے گیے ہیں اُن کی تعداد کیا ہے؟ اللہ رب العزت ارشاد فرمائے گا: ہر ہزار میں نو سو ننانوے دوزخی ہیں اور ایک جنتی۔

سوال: "فَعِنْدَہُ یَشِیْبُ الصَّغِیْرُ" کا کیا مطلب ہے؟ کیا واقعی بچے بوڑھے ہوجائیں گے؟

جواب: ایک قول یہ ہے کہ اس تعبیر سے بطورِ مجاز قیامت کی ہولناکی کا بیان منظور ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ یہاں حقیقی معنی مراد ہے،اس لیے کہ قیامت کے دن ہر کوئی اسی حال میں اٹھایا جائے گا جس حال میں دنیا سے گیا تھا لہذا جن کا انتقال کم عمری میں ہوا تھا وہ اسی حال میں اٹھائے جائیں گے اور پھر واقعی قیامت کی ہولناکی اور شدت سے وہ کم عمر بچے بوڑھے ہوجائیں گے۔

سوال: اس میں حمل ساقط کرنے کا بھی ذکر ہے تو کیا قیامت کے دن عورتیں حاملہ بھی ہوں گی؟

الافق الاعلی فی انارۃ ما رَوَی النَّبِیّ عَنْ رَبِّہٖ تعالی [سیدنظامی اشرف اشرفی الجیلانی میرانی]

جواب: اس کا بھی دو جواب ہے ایک جواب وہی ہے کہ بطورِ فرض وتقدیر مجازی معنی مراد ہے، یعنی قیامت کے دن اتنی سخت ہولناکی ہوگی کہ اگر کوئی عورت حاملہ ہوتی تو اُس وقت اس کا حمل ساقط ہوجاتا اور دوسرا قول یہ ہے کہ وقوعِ قیامت کے وقت کا زلزلہ مراد ہے اور جب وہ زلزلہ آئے گا اس سے حمل والی عورتوں کا حمل ساقط ہوجائے گا۔

سوال: حضور علیہ السلام کے اس قول پر صحابہ نے تکبیر کیوں کہی؟

جواب: یہ تکبیر اظہارِ مسرت کے لیے تھا، یعنی: صحابۂ کرام نے اللہ تعالی کی اس نعمت کو بہت عظیم جان کر خوشی سے نعرۂ تکبیر "اللہ اکبر" بلند کیا۔

سوال: "وَتَرَی النَّاسَ سکاریٰ" کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی سخت ہولناکی کی وجہ سے لوگوں کے اذہان ماؤف ہوجائیں گے، اس لیے ایسا لگے گا کہ وہ نشہ میں ہیں، حالاں کہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ تعالی کا عذاب بہت سخت ہوگا اور وہ اُس کی تاب نہ لاسکیں گے اور نشہ والے لوگوں کی طرح ہوجائیں گے۔

سوال: "اَبْشِرُوْا فَاِنَّ۔۔۔" سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام سوال کرنے والے صحابہ کے سوال کے جواب میں اُن کو یہ خوش خبری سنا رہے ہو کہ تم خوش ہوجاؤ، کیوں کہ اُس ہزار میں تم میں سے (اور جو تمھاری طرح ایمان والے ہیں اُن میں سے) ایک شخص ہوگا اور یاجوج ماجوج (اور جو اُن کی طرح کفار ہیں اُن میں سے) نو سو ننانوے ہوں گے۔اور یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہلِ محشر میں جہنمیوں کی تعداد ہر ایک ہزار میں نو سو ننانوے ہوگی۔

سوال: حضور علیہ السلام کے اس طرزِ بیان میں کیا حکمت ہے کہ اپنی امت کو تمام جنتیوں کی چوتھائی، پھر تہائی، پھر نصف اور پھر اس سے بھی بہت کم قرار دیا؟

جواب: اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو بتایا کہ تمھاری تعداد تمام اہلِ جنت کی چوتھائی ہوگی، پھر بتایا کہ تمھاری تعداد تمام اہلِ جنت کی تہائی ہوگی اور پھر بتایا کہ تمھاری تعداد تمام اہلِ جنت کی آدھی ہوگی اور پھر اس سے بھی بہت کم بتائی کہ تمھاری تعداد تمام جہنمیوں میں ایسے ہی ہوگی جیسے کسی کالے رنگ کے بیل کے بدن پر ایک سفید بال، یا سفید رنگ کے بیل کے بدن پر ایک کالا بال ہو۔ اس طرزِ بیان میں حکمت یہ ہے کہ بار بار عطا کا ذکر کرنا فرحت وسرور کا باعث ہوتا ہے، یعنی: تاکہ مسلمان اِن خوش خبریوں سے بار بار مسرور ہوں اور اللہ کی نعمت پر شکر ادا کریں۔

﴿حدیث القدسی نمبر:۱۵﴾

اولیاء اللہ سے دشمنی کا ہولناک انجام اور کثرتِ نوافل کا بیش بہا انعام

{۱۵} عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اِنَّ اللّٰهَ قَالَ: مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيّاً فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ۔ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْئٍ أَحَبَّ اِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ، حَتّٰى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرُهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا۔ وَاِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِيْ لَأُعِيْذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْئٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِيْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ، يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ۔ [صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، رقم الحدیث: ۶۵۰۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے میرے ولی سے عداوت رکھی میں اُس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں اور میرا بندہ جن عبادتوں سے میرا اقرب حاصل کرتا ہے اُن سب میں مجھے زیادہ محبوب فرض عبادت

ہے۔ اور میرا بندہ نوافل کے ساتھ مسلسل میرا اقرب حاصل کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اُس کا وہ کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے اور میں اُس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کا وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اُس کو وہ پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو ضرور دیتا ہوں اور کسی کام میں جس کو میں کرنے والا ہوں ایسا تردد نہیں کرتا جیسا تردد مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں، وہ بندۂ مومن موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اُس کو رنجیدہ کرنا ناپسند کرتا ہوں۔

تشریحات:

سوال: "عادیٰ" باب مفاعلت سے فعل ماضی ہے اور بابِ مفاعلت جانبین سے صدورِ فعل کا متقاضی ہوتا ہے اس لیے اب مطلب یہ ہو جائے گا کہ جو اللہ کے ولی سے دشمنی کرے تو اللہ کا ولی بھی اس سے دشمنی کرے حالاں کہ اللہ کے ولی کی شان دشمنی کرنا نہیں بلکہ اس کی شان عداوت سے اجتناب اور حلم اختیار کرنا ہے؟

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں:

(۱) اللہ کے ولی کی جانب سے جس کسی شخص کے حق میں عداوت ہوتی ہے وہ محض اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہوتی ہے اور جو دشمنی اللہ تعالی کی رضا کے لیے ہو وہ ناپسندیدہ نہیں، بلکہ وہ عبادت ہے۔ جب کہ اللہ کے ولی سے دوسرے شخص کی عداوت اس کی نفسانیت کی بنا پر ہوگی۔

(۲) بابِ مفاعلۃ کبھی ایک جانب سے صدورِ فعل کا معنی ادا کرنے کے لیے بھی آتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے: {وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ}[آل عمرون: ۱۳۳] یعنی: تم سب اپنے رب کی مغفرت کی طرف جلدی کرو، اس ارشاد میں "سَارِعُوْا" باب مفاعلۃ سے ہے، لیکن سُرعت کا فعل ایک

جانب سے ہے۔ اور جیسے کوئی حاکم کہتا ہے: ''عَاقَبْتُ اللِّصَّ''، یعنی: میں نے چور کو سزا دی، یہاں پر بھی عقاب صرف حاکم کی طرف سے ہے۔

فائدہ: ''مَاتَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِيْ'' سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ ہمیشہ کثرت سے نوافل پر عمل کرکے بندہ رب کا مقرب بن جاتا ہے۔

سوال: بندہ اگر فرائض ترک کرکے نوافل بجالائے تو کیا اِن نوافل سے اللہ تعالیٰ کا قرب میسر ہوگا؟

جواب: فرائض ترک کرکے نوافل بجالانے سے اللہ تعالیٰ کا قرب میسر نہیں ہوگا، کیوں کہ اس حدیث میں نوافل سے مراد وہ عبادتیں ہیں جو فرائض کی ادائیگی کے بعد اُن کو مکمل کرنے والی ہوں، اس کی تائید حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ہے: ''اے ابن آدم، میرے پاس جو اجر ہے تو اُس وقت پاسکے گا جب تو اُن کاموں کو بجالائے تو میں نے تجھ پر فرض کیے''۔ یعنی: فرض کے بغیر نفل مقبول نہیں۔ اور نفل کو نفل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ فرائض پر زائد ہوتے ہیں، لہٰذا جب تک فرض ادا نہ کیا جائے نفل حاصل نہیں ہوگا۔ نیز نوافل کو فرائض کی تکمیل کے لیے مشروع ہوئے ہیں، جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک حدیث میں ہے: ''اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِيْ مِنْ تُطَوُّعٍ، فَيُكَمَّلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيضَةِ'' [سنن الترمذي، رقم الحديث: ۴۱۳] دیکھو میرے بندہ کی کوئی نفلی عبادت ہو تو اُس سے اُس کے فرض کو پورا کردیا جائے۔

ایک نظیر سے اِس کی مزید توضیح یہ ہوسکتی ہے کہ اگر کوئی مقروض آدمی قرض دینے والے کو قرض کی ادائیگی جو ضروری ہے اُس کے ساتھ مزید کوئی ہدیہ اور تحفہ بھی دے تو اُس سے محبت ہوتی ہے، نہ کہ اس وقت جب کہ قرض جو ضروری ہے وہ تو واپس نہ دے بلکہ صرف تحفہ دے، اسی لیے بعض اکابر نے فرمایا: جو فرائض کی بجا آوری میں نوافل سے غافل ہوجائے تو وہ معذور ہے اور جو نوافل کی بجا آوری میں فرائض سے غافل ہوجائے تو وہ مغرور (فریب خوردہ) ہے۔

سوال: ''كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ۔۔۔'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ولی فرائض پر دوام کرنے سے اُس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہوجاتا ہے، لیکن یہاں یہ خوب واضح رہے کہ بندہ، بندہ ہی رہتا ہے، خدا نہیں ہوتا، یہی وہ مقام ہے جس کو صوفیاء ''فناء فی اللہ'' کہتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر اللہ کے ولی کے اعضاء، یعنی: زبان، کان، آنکھ، ہاتھ، پیر وغیرہ اعضاء تو بندہ ہی کے ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اُن میں قدرت ظاہر فرماتا ہے، اس کی نظیر وہ ہے جو قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے: {فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ}[النحل ۸] یعنی: پھر جب وہ (یعنی: حضرت موسیٰ علیہ السلام) آگ کے پاس آئے ندا کی گئی کہ برکت دیا گیا وہ جو اِس آگ کی جلوہ گاہ میں ہے (یعنی: موسیٰ اور وہاں ارد گرد موجود فرشتے) اور پاکی ہے اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا۔ ایک دوسرے مقام پر ہے: {فَلَمَّا اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ}[القصص: ۳۰] یعنی: جب آگ کے پاس حاضر ہوا ندا کی گئی میدان کے داہنے کنارہ سے برکت والے مقام میں پیڑ سے کہ اے موسیٰ بے شک میں ہی ہوں رب سارے جہاں کا۔

☆ واضح رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو چیز دکھائی گئی تھی وہ منور درخت تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں تجلی فرمائی تھی، لہٰذا بظاہر دیکھنے میں درخت کلام کر رہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کلام کی نسبت اپنی طرف فرمائی، اس لیے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس درخت میں موسیٰ علیہ السلام کے لیے تجلی فرمائی اور کلام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: {اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ} اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے ولی کے اعضاء میں تصرف فرماتا ہے اور یہ کچھ بعید نہیں، کیوں کہ ابن آدم جو احسنِ تقویم پر پیدا گیا ہے وہ درخت سے کسی طرح کم رتبہ نہیں۔

﴿حدیث القدسی نمبر:۱۶﴾

جلد افطار کرنے والے روزہ دار اللہ تعالی کو محبوب ہیں

{۱۶} عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ: اَحَبُّ عِبَادِيْ اَلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْراً۔[جامع الترمذي، كتاب الصوم، باب ما جاء في تعجيل الافطار، رقم الحديث: ۷۰۰، مسند احمد،رقم الحديث:۲۶۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے آپ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: میرے بندوں میں زیادہ محبوب وہ بندہ ہے جو جلدی افطار کرتے ہوں۔

تشریحات:

سوال: جلد افطار کرنے میں زیادہ ثواب کی کیا حکمت ہو سکتی ہے؟

جواب: اللہ ورسول جل جلالہ و ﷺ کی اطاعت اس میں ہے کہ سورج ڈوبنے کا یقین ہو جانے کے بعد افطار کرنے میں تاخیر نہ کی جائے اور جس عمل میں اللہ تعالی کی اطاعت ہو وہ عمل بندہ کو اللہ تعالی کا محبوب بنا دیتا ہے۔ نیز چوں کہ سورج ڈوبنے کے بعد بھی یہود ونصاری افطار میں تاخیر کرتے تھے اس لیے یہود ونصاری کی مخالفت میں زیادہ ثواب رکھا گیا، جس طرح حضور علیہ السلام نے دسویں محرم الحرام کے ساتھ نویں محرم کا روزہ رکھنے کا حکم اس لیے دیا کہ اس میں یہود کی مخالفت ہے۔ ارشاد فرمایا: ”صُوْمُوْا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، وَخَالِفُوْا فِيْهِ الْيَهُوْدَ، وَصُوْمُوْا قَبْلَهُ يَوْماً أَوْ بَعْدَهُ يَوْماً“۔[مسند احمد، رقم الحديث: ۲۱۴۱] (ترجمہ: دسویں محرم الحرام کا روزہ رکھو اور اس روزہ میں یہود کی اس طرح مخالفت کرو کہ اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ بھی رکھو)

﴿حدیث القدسی نمبر:۱۷﴾

بندگانِ خدا کے ساتھ بھلائی کا صلہ اور باری تعالی کی شانِ بے نیازی کا بیان

{۱۷} عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ الغِفارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيما رَوٰى عَنِ اللّٰهِ تَبارَكَ وَتَعَالٰى، أَنَّهُ قَالَ: ياعِبَادِيْ اِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ، وَجَعَلْتُه بَيْنَكُمْ مُحَرَّماً، فَلا تَظَالَمُوْا۔ يا عِبادِيْ، كُلُّكُمْ ضَالٌّ ، اِلّا مَنْ هَدَيْتُهُ، فَاسْتَهْدُوْنِيْ اَهْدِكُم۔ يا عِبادِيْ، كُلُّكُمْ جائِعٌ، اِلّا مَنْ اَطْعَمْتُهُ، فَاسْتَطْعِمُوْنِىْ اُطْعِمْكُمْ۔ يا عِبادِيْ، كُلُّكُمْ عارٍ، اِلّا مَنْ كَسَوْتُهُ، فَاسْتَكْسُوْنِيْ اَكْسُكُمْ۔يا عِبادِيْ، اِنَّكُمْ تَخْطِئُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهار، وَأَنا أَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً، فَاسْتَغْفِرُوْنِي أَغْفِرْ لَكُمْ۔ يا عِبادِيْ، اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّيْ فَتَضُرُّوْنِيْ، وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ۔ يا عِبادِي، لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كانُوْا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ ما زادَ فِيْ مِلْكِيْ شَيْئاً۔ يا عِبادِي، لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كانُوْا عَلٰى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ ما نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مِلْكِيْ شَيْئاً۔ يا عِبادِي، لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِيْ صَعِيْدٍ واحِدٍ فَسَأَلُوْنِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ اِنْسانٍ مَسْأَلَتَهُ ما نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي اِلّا كَما يَنْقُصُ المِخْيَطُ اِذا دَخَلَ البَحْرَ۔ يا عِبادِيْ، اِنَّما هِيَ اَعْمالُكُمْ أُحْصِيْها لَكُمْ، ثُمَّ أُوَفِّيْكُمْ اِيَّاها، فَمَنْ وَجَدَ خَيْراً فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ، وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلايَلُوْمَنَّ اِلّا نَفْسَهُ۔[صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم، رقم الحديث: ۲۵۷۲]

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے اللہ کے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی اور نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب تبارک وتعالی سے روایت کی کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: اے

میرے بندو! میں نے اپنے او پر ظلم کو حرام کرلیا ہے اور اس کو تمھارے درمیان بھی حرام قرار دیا،لہذا تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! تم سب بھٹکے ہوئے ہو،سوائے اُس کے جس کو میں نے ہدایت دی،لہذا تم مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمھیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو ،سوائے اس کے جس کو میں کھلایا،لہذا تم مجھ سے کھانا طلب کرو، میں تمھیں کھانا دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو،سوائے اُس کے جس کو میں نے کپڑا پہنایا،لہذا تم سب مجھ سے کپڑا طلب کرو میں تمھیں کپڑا دوں گا۔ اے میرے بندو! یقیناً تم رات دن خطا کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں،لہذا تم مجھ سے مغفرت طلب کرو میں تمھیں معاف کر دوں گا۔ اے میرے بندو! بے شک تم میرے نقصان کے درپے نہ ہوسکو گے کہ مجھے نقصان پہنچاؤ۔ اور میرے نفع کے درپے نہ ہوسکو گے کہ مجھے نفع پہنچاؤ۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اول وآخر اور تمھارے انس وجن تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار دل والے شخص پر ہو جائیں تو میری بادشاہت میں کچھ اضافہ نہ کریں گے۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اول وآخر اور تمھارے انس وجن تم میں سب سے زیادہ بدکار دل والے شخص پر ہو جائیں تو اُس سے میری بادشاہت میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اول وآخر اور تمھارے انس وجن کسی ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں پھر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کو اس کا مطلوب عطا کر دوں تب بھی میرے پاس جو ہے اُس میں کچھ کم نہ ہوگا مگر جتنا کہ سوئی کم کرتی ہے جب کہ اُس کو سمندر میں ڈال دیا جائے۔ اے میرے بندو! بے شک یہ تمھارے اعمال ہیں جنھیں میں تمھارے لیے شمار کرتا ہوں، پھر میں تمھیں اس کی جزا دوں گا،لہذا جو بھلائی پائے تو اُس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالی کی حمد بیان کرے اور جو اُس کے علاوہ پائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔

تشریحات:

اس حدیث کی عظمتِ شان: یہ حدیث، احادیث قدسیہ میں زیادہ مشہور اور معظم ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا: ''هُوَ اَشْرَفُ حَدِیْثٍ لِاَهْلِ الشَّامِ''۔ یہ شام کی حدیثوں میں

سب سے زیادہ عظمت والی حدیث ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ تعالی نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی روایت کرنے کے بعد اس حدیث کے راوی سعید بن عبد العزیز کا یہ قول نقل فرمایا: ''اِنَّ اَبَا اِدْرِیْسَ الخَوْلانِيَّ کَانَ اِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا الحَدِیْثِ جَثَا عَلٰی رُکْبَتَیْهِ''۔ یعنی: مشہور محدث حضرت ابو ادریس خولانی رحمہ اللہ تعالی جب اس حدیث کو بیان کرتے تو (اس کی اہمیت کے پیشِ نظر) اپنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جاتے۔

★ ''اِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ۔۔۔'' سے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالی بندوں پر ظلم نہیں کرتا تو بندوں کو مطمئن رہنا چاہیے کہ اُس نے جو بھی حکم دیا ہے یا جس سے بھی روکا ہے اس میں بندوں کے لیے ضرور بھلائی ہی ہوگی۔

★ ''جَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّماً'' سے معلوم ہوا کہ اس نے بندوں کے لیے بھی ایک دوسرے پر ظلم کرنے کو حرام قرار دے دیا ہے تا کہ لوگ مکمل بھلائی اور اطمنان کے ساتھ زندگی گزاریں۔ حدیث میں مذکور ''فَلَا تَظَالَمُوْا'' سے دونوں قسم کے ظلموں کی حرمت ثابت ہوتی ہے، (۱) خواہ اس کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اپنے آپ پر ظلم ہو (۲) یا دوسروں پر۔

☆ واضح رہے کہ اپنے آپ پر ظلم کرنا گناہ ہے اور اُن میں سب سے بڑا شرک ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالی ہے: {اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ} بے شک شرک کرنا بڑا ظلم ہے۔ اور ارشاد فرمایا: {وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ} اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ تو خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

☆ دوسروں پر ظلم کرنا کبھی قول سے ہوتا ہے اور کبھی فعل سے، اس کا بیان مسلم شریف کی حدیث میں ہے: ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَتَدْرُوْنَ مَا المُفْلِسُ؟ قَالُوْا: المُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ، فَقَالَ ﷺ: اِنَّ المُفْلِسَ مَنْ يَاتِي يَوْمَ القِيَامَةِ بِصَلاةٍ وَ

صِیامٍ وَزَکاۃٍ، وَیَأْتِي وَقَدْ شَتَمَ ھٰذا، وَقَذَفَ ھٰذا، وَأَکَلَ مَالَ ھٰذا، وَسَفَکَ دَمَ ھٰذا، وَضَرَبَ ھٰذا، فَیُعْطٰی ھٰذا مِنْ حَسَناتِہٖ، وَھٰذا مِنْ حَسَناتِہٖ، فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَناتُہٗ قَبْلَ أَنْ یُّقْضٰی ما عَلَیْہِ أُخِذَ مِنْ خَطایاھُمْ، فَطُرِحَتْ عَلَیْہِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ"۔ [صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۸۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو مُفلِس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو نہ ہی کوئی سامان، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا: بے شک میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکاۃ لے کر اس حال میں آئے کہ اُس نے کسی کو گالی دی ہو، کسی پر تہمت لگائی ہو، کسی کا مال (ناحق) کھایا ہو، کسی کا خون بہایا ہو اور کسی کو مارا ہو تو اُس کی نیکیاں اِن سب کو دے دی جائیں گی، پھر اگر اس پر لازم حقوق پورا ہونے سے پہلے اُس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو اُن سب کی برائیاں اِس پر ڈال دی جائیں گی اور اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

☆ "یا عِبادِيْ کُلُّکُمْ ضالٌّ۔۔۔" کا حاصل یہ ہے کہ انسان گمراہ اور بے راہ رو ہو سکتا ہے اور شر و فساد میں ملوث ہو سکتا ہے، اس لیے کہ اُس کے اندر نفس ہے جس کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے، پھر دنیا بھی اُس کو دھوکہ دینے والی ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ بندہ کی حفاظت فرمائے تو وہ ہر قسم کی برائی سے محفوظ رہے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "فَاسْتَھْدُوْنِيْ اَھْدِکُمْ" تم سب مجھ سے ہدایت کے خواستگار رہو میں تمھیں ہدایت دوں گا۔

☆ "اِنَّکُمْ تَخْطِئُوْنَ" کا حاصل یہ ہے کہ بندوں کی خطائیں کثیر ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اُس کی رحمت بندوں کے گناہوں سے بہت بڑی ہے، اسی لیے فرمایا: "وَأَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعاً"، یعنی: میں تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں اور قرآن حکیم میں اسی مضمون کو یوں واضح فرمایا: {قُلْ یٰعِبادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ لا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعاً

اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ} [الزمر: ۵۳] اے محبوب! فرمادیجیے کہا اے میرے بندو، جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے اور یقیناً وہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

لیکن یہاں یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا، جیسا کہ اپنے کلام بلاغت میں ارشاد فرمایا: {اِنَّ اللّٰہَ لا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ ما دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشاءُ} بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کرنے کو معاف نہیں فرماتا ہے اور اِس کے سوا جسے چاہتا ہے معاف فرمادیتا ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ شرک کے سوا تمام گناہ معاف فرمادیتا ہے، لیکن زیرِ نظر حدیث میں "فاسْتَغْفِرُوْنِيْ اَغْفِرْ لَکُمْ" کے ذریعہ استغفار کی تعلیم اس لیے دی گئی تاکہ بندہ توبہ صادقہ کرے کیوں کہ اللہ پاک نے بندہ پر توبہ کرنا واجب قرار دیا ہے۔

☆ "لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّيْ۔۔۔": اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ بندہ اپنے گناہوں سے نہ تو اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نیکیوں اور عبادتوں سے اس کو کوئی نفع پہنچ سکتا ہے۔ بندہ کے گناہوں میں خود اسی کا نقصان ہے اور اُس کی نیکی سے خود اسی کا نفع ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے اس کو کسی کے کسی عمل کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

☆ "لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ۔۔۔" اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ انسان و جنات کا ہر ہر فرد اگر انتہائی درجہ کا پرہیزگار ہو جائے تو اِن سب کی پرہیزگاری سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں کچھ اضافہ نہ ہوگا۔ اور اگر انسان و جنات کا ہر ہر فرد انتہائی برا فرد ہو جائے تو اِن سب کی برائی سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں کچھ کمی نہ ہوگی، کیوں کہ اس نے اپنی بے نیازی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: {اَللّٰہُ الصَّمَدُ} اللہ بے نیاز ہے، اس کو تمام جن و انس کے کسی عبادت یا طاعت کی کوئی حاجت نہیں، بلکہ سب کو اُس کی حاجت ہے اور سب اپنے وجود و بقا اور اپنے ہر کام میں اُس کے حاجت مند ہیں۔

★ "لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ۔۔۔" اس قول سے باری تعالی کی بے نیازی کا مزید اظہار و بیان مقصود ہے اور یہ معنی قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ثابت ہے: {یا اَیُّھا النَّاسُ اَنْتُمُ الفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ وَ ھُوَ الغَنِيُّ الحَمِیْدُ} [الفاطر: ۱۵] اے لوگو! تم اللہ سب اللہ تعالی کے محتاج ہو اور اللہ تعالی سراپا ہوا بے نیاز ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر اللہ تعالی ہر انسان کی تمام مراد پوری کر دے تو اُس کے خزانۂ رحمت سے کچھ کم نہ ہوگا۔

سوال: اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی اگر ہر انسان کو اس کی تمام مراد عطا کر دے تو اس کے خزانہ سے اتنا کم ہو جائے گا جتنا سمندر میں سوئی ڈالنے سے کمی ہو جاتی ہے تو کیا اللہ تعالی کے عطا کرنے سے بہت معمولی ہی سہی اُس کا خزانہ کم ہوتا ہے؟

جواب: حدیث میں سوئی کی مثال محض تقریبِ فہم (مثال کی روشنی میں سمجھانے) کے لیے ہے، جس طرح حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ میں ہے: "جاءَ عُصْفُوْرٌ، فَوَقَعَ عَلَی حَرْفِ السَّفِیْنَۃِ، فَنَقَرَ فِيْ البَحْرِ نَقْرَۃً، فَقَالَ لَہُ الخِضْرُ: مَا عِلْمِيْ وَ عِلْمُکَ مِنْ عِلْمِ اللّٰہِ اِلَّا مَا نَقَصَ ھٰذَا العُصْفُوْرُ مِنْ ھٰذَا البحر" [صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۷۲۵] (ترجمہ: جب وہ دونوں کشتی پر سوار چلے جا رہے تھے تو ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے بیٹھ گئی اور سمندر سے اپنے چونچ میں ایک مرتبہ پانی لیا، تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسی علیہ السلام سے فرمایا: میرے اور آپ کے علم کو باری تعالی کے علم سے وہی نسبت ہے جو اس چڑیا کے پانی لینے نے سمندر سے کم کیا ہے۔ اس حدیث میں محض تفہیم کے لیے یہ مثال ہے ورنہ باری تعالی کے غیر متناہی علم سے بندوں کے متناہی علم سے کوئی نسبت ہی نہیں ہو سکتی، اسی لیے ہمارے علماء نے فرمایا: "علمِ ما کانَ وما یکُون" کو باری تعالی کے بے کراں اور غیر محدود علم سے وہ نسبت بھی حاصل نہیں جو ایک قطرے کو کروروں سمندر سے ہو سکتی ہے، وجہ وہی ہے کہ جو غیر متناہی ہے اس کو کسی متناہی سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ اس کی نظیر یہ آیتِ کریمہ ہے: {اِنَّمَا

اَمْرُہٗ اِذا اَرَادَ شَیْئاً اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ} [یس: ۸۲] بے شک اللہ تعالی کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو ارشاد فرماتا ہے "کُنْ" یعنی: ہو جا، تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اس آیت میں بھی تقریبِ فہم کے لیے یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی جب کسی کو وجود دینا چاہتا ہے تو "کُن" فرماتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ارادہ کے بعد قولِ "کُن" تک اس کا وجود نہیں ہوتا ہے، بلکہ بیانِ سرعتِ ایجاد کے لیے یہ تعبیر ہے۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۱۸﴾

شرک سے بچتے رہنے پر ہر گناہ کی بخشش ہو سکتی ہے

{۱۸} عَنْ اَنَسِ بْنِ مالِکٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ: قَالَ اللّٰہُ تَبارَکَ وَ تَعالٰی: یا ابْنَ آدَمَ، اِنَّکَ ما دَعَوْتَنِيْ، وَرَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَکَ عَلٰی ما کانَ فِیْکَ، وَلا أُبالِيْ یا ابْنَ آدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُکَ عَنانَ السَّماءِ، ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ غَفَرْتُ لَکَ، وَلا أُبالِيْ یا ابْنَ آدَمَ اِنَّکَ لَوْ أَتَیْتَنِيْ بِقُرابِ الأَرْضِ خَطایا، ثُمَّ لَقِیْتَنِيْ لا تُشْرِکُ بِيْ شَیْئاً لَأَتَیْتُکَ بِقُرابِها مَغْفِرَۃً۔ [جامع الترمذي، کتاب الدعوات، باب في فضل التوبۃ والاستغفار، رقم الحدیث: ۳۵۴۰]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: اے ابن آدم! جب تو مجھے پکارے گا اور مجھ سے (مغفرت کی) امید رکھے گا تو میں تیری ساری خطاؤں کو بخش دوں گا۔ اے ابن آدم! مجھے پروا نہیں اگر تیرے گناہ آسمان کے کناروں تک پہنچ جائیں اور پھر تو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں تجھ کو بخش دوں گا۔ اے ابن آدم! مجھے پروا نہیں اگر تو پاس روئے زمین برابر خطالے کر آئے اور مجھ سے اس حال

میں ملے کہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو میں تیرے پاس زمین برابر مغفرت عطا کروں گا۔

تشریحات:

★ ”یا بن ادم۔۔۔“: اس حدیث میں ہے۔اے ابن ادم! تو جب مجھ کو پکارے گا اور مجھ سے مغفرت کی امید رکھے گا تو میں تجھ کو بخش دوں گا تیری ان خطاؤں کو جو تجھ میں ہیں اور مجھے کچھ پرواہ نہیں ۔اس حدیثِ قدسی میں باری تعالی نے اسبابِ مغفرت میں دو سبب کی جانب رہنمائی فرمائی ہے اور وہ طلبِ مغفرت اور امید مغفرت ہے،یعنی: بندہ اپنے تمام گناہوں سے مغفرت کی دعا کرے اور اللہ تعالی سے مغفرت کی امید بھی رکھے اور یہ اس لیے ہے کہ بسا اوقات انسان اپنے گناہوں کو بہت بڑا گمان کرتا ہے اس لیے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب اُس کی مغفرت نہ ہو سکے گی۔

☆ ”مَا دَعَوْتَنِيْ“: اس میں ”ما“ مصدریہ ظرفیہ ہے،لہٰذا تقدیرِ عبارت یہ ہوگی: ”مُدَّةَ دَوامِ دُعائِکَ“ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ اللہ تعالی سے امیدِ بخشش کے ساتھ مغفرت طلب کرتا رہے اس لیے کہ اللہ تعالی حدیثِ قدسی میں ارشاد فرماتا ہے: ”اَنا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِي“ (اس حدیث کی مزید تشریح اسی تالیف میں سب سے پہلی حدیث کی تشریحات میں ملاحظہ کریں)

☆ ”لا اُبالِيْ“ کا معنی شارحین نے یہ لکھا ہے: ”لا تُهِمُّنِيْ كَثْرَةُ ذُنُوْبِکَ وَلا يَعْظُمُ عَلَيَّ مَغْفِرَتُها“۔یعنی: اے میرے بندو! تمھارے گناہوں کی کثرت سے میرے یہاں کچھ وقعت نہیں رکھتی اور اُن گناہوں کا معاف کر دینا میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں، جیسا کہ باری تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: {اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعا} بے شک اللہ تعالی تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا،لیکن شرک اس سے مستثنیٰ ہے،اسی لیے ارشاد ہوا: {اِنَّ اللّٰہَ لا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ ما دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشاءُ} بے شک اللہ تعالی معاف نہیں فرماتا اپنے ساتھ شرک کرنے والے کو اور اُس کے سو جسے چاہتا ہے معاف فرما دیتا ہے۔ہاں! اگر کوئی شرک سے توبہ کر کے مذہبِ اسلام قبول کر لے تو

اسلام سے پہلے کے اس کے سارے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔

★ ”یا ابنَ آدَمَ لَوْ بَلَغَتَ۔۔۔“: اس ارشاد میں اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو مغفرت کی خوب امید دلائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ اُن کے گناہوں سے اگر زمین اور آسمان بھرے ہوئے ہوں، پھر بھی وہ اللہ تعالی سے مغفرت طلب کریں تو اللہ اُن کی مغفرت فرمائے گا۔

★ ”مغفرۃ من اللّٰہ“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی گنہگار کو گناہوں کی سزا سے محفوظ فرما دے اور یہ گناہوں پر پردہ ڈالنے سے ہوتا ہے۔

★ ”توبہ“ کا معنی اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرنا ہے اور توبہ صادقہ کے لیے اُس کی شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے اور اگر گناہ بندہ اور اللہ تعالی کے درمیان ہو تو اس کی تین شرطیں ہیں: (۱) فی الحال گناہ کو چھوڑ دینا (۲) زمانہ ماضی میں جو گناہ ہوئے اُن پر نادم و پشیمان ہونا (۳) آئندہ اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا۔اور اگر گناہ بندہ کے کسی حق سے متعلق ہو تو ایک چوتھی شرط یہ بھی ہے کہ صاحبِ حق کو حق لوٹانا یا اس سے معاف کرا لینا۔

فائدہ: واضح رہے کہ استغفار کرنا انبیائے کرام علیہم السلام کا شعار تھا جیسا کہ آیاتِ قرآنیہ سے واضح ہوتا ہے اور یہی سید الانبیاء علیہ افضل الصلاۃ والسلام کا شعار تھا، جیسا کہ صحیح البخاری (کتاب الدعوات، باب استغفار النبي ﷺ في اليوم أكثر من سبعين مرة) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم میں دن میں اللہ تعالی سے ستر مرتبہ زیادہ استغفار کرتا ہوں۔اور مسلم شریف میں (کتاب الذکر، باب التوبۃ) میں ہے: ”یا اَیُّها النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰہِ، فَاِنّيْ أَتُوْبُ فِيْ الیَوْمِ اِلَیْہِ مِائَةَ مَرَّةٍ“۔یعنی: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو، اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو، بے شک میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

★ ”یا بَنِيْ آدَمَ لَوْ اَتَيْتَنِيْ۔۔۔“: سے معلوم ہوا کہ مغفرتِ کبری کی شرط اللہ تعالی سے اس حال

میں ملاقات کرنا ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو، لہٰذا ایمان پر خاتمہ ہونا مغفرت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

﴿حدیث القدسی نمبر:۱۹﴾

حقیقی عظمت و بزرگی صرف باری تعالیٰ کو شایاں ہے

{۱۹} عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ، وَالعَظَمَةُ إِزَارِيْ، فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِداً مِنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِيْ النَّارِ۔[سنن أبي داؤد، کتاب اللباس، باب ما جاء في الكبر، رقم الحديث: ۴۰۸۷]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے، لہٰذا جو کوئی اِن میں سے کسی کے لیے مجھ سے نزاع کرے گا (جھگڑے گا) تو میں اُس کو جہنم میں ڈال دوں گا۔

تشریحات:

★ "الکِبْرِیاء" کا معنی: کسی کو غیر پر اس طرح رفعت حاصل ہونا کہ وہ اپنے کو غیر سے افضل جانے (التَّرَفُّعُ عَلَی الغَیْرِ بِأَنْ یَرَیٰ لِنَفْسِهِ عَلَیْهِ شَرَفاً) اور "العَظَمَة" کا معنی: کسی چیز کا کامل، شرف والا اور بے نیاز ہونا ہے۔ فیض القدیر ج ۴ ص ۸۴ میں ہے: "الکِبْرِیاءُ: التَّرَفُّعُ عَنِ الانْقِیادِ"، یعنی: کبریاء کا معنی کسی کی اتباع سے بلند و بالا ہونا، یعنی: کسی کی پیروی سے بے نیاز ہونا اور یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اس لیے کہ اُس کو کسی کے اتباع کی حاجت نہیں۔ اور بن اثیر نے نہایہ میں صفتِ کبریاء کے بارے میں لکھا: "قِیلَ: هِيَ عِبارَةٌ عَنْ کَمالِ الذّاتِ وَکَمالِ الوُجُودِ، وَلا یُوْصَفُ بِهَا إِلَّا اللّٰهُ تَعالیٰ"، یعنی: کہا گیا ہے کہ کبریاء، کمالِ ذات اور کمالِ وجود کا نام ہے اور اِس صفت

کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو متصف نہیں کیا جاتا۔

فائدہ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ ذات اور وجود میں کامل ہے اور انسان ذات اور وجود میں ناقص ہے اس لیے کہ انسان دونوں میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور جس کی یہ حالت ہو وہ عظمت و کبریاء میں اللہ تعالیٰ سے جھگڑنے کا حق نہیں رکھتا، اسی لیے سرکارِ اعظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "لا یَدْخُلُ الجَنَّةَ مَنْ کانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقالُ ذَرَّةٍ مِنْ کِبْرٍ"۔ یعنی: ایسا شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر کبر (گھمنڈ) ہو [صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر]

★ "الکِبْرِیاءُ رِدائِيْ۔۔۔": اس حدیث میں "رداء" اور "ازار" کے حقیقی معنی مراد نہیں، بلکہ یہاں یہ دونوں بطورِ مجاز و استعارہ مستعمل ہیں، جیسا کہ کسی کے زہد و تقوی کو بیان کرنے کے لیے اہلِ عرب کہتے ہیں: "فُلانٌ شِعارُهُ الزُّهْدُ وَدِثارُهُ التَّقویٰ"۔ اس قول میں "شعار" سے اس کا لغوی معنی، یعنی: وہ کپڑا مراد نہیں جو بدن سے متصل ہوتا ہے اور "دِثار" سے بھی اُس کا لغوی معنی، یعنی: وہ کپڑا مراد نہیں جس کو نیچے والے کپڑے کے اوپر پہنتے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ زہد و تقوی اس کی صفت ہے۔ اور "رداء" اور "اِزار" کا معنی مجازی یہاں یوں ہوسکتا ہے کہ جس طرح رداء (چادر) اور ازار (تہ بند) سے انسان کی خوب صورتی ہوتی ہے اور یہ چیزیں اس کے لیے شایاں ہیں، یوں ہی کبریائی اور عظمت باری تعالیٰ کے لیے شایاں ہے۔

﴿حدیث القدسی نمبر:۲۰﴾

راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لیے بخشش کی ضمانت ہے

{۲۰} عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُما، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِیْمَا یَحْکِیْهِ عَنْ رَبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ:

أيُّما عَبدٍ مِنْ عِبادِيْ خَرَجَ مُجاهِداً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ابْتِغاءَ مَرضاتِيْ ضَمِنْتُ لَهُ وَرَحِمْتُهُ۔ [سنن النسائي، كتاب الجهاد، باب في ثواب السَّرِيَّةِ التي تخفق]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اور یہ قول وہ اپنے رب کی طرف سے نقل کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا؛ میرے بندوں میں سے جو بھی میری رضا کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلا تو میں اس کی ضمانت لیتا ہوں اور اس پر رحم فرماتا ہوں۔ (یعنی: اگر وہ زندہ واپس لوٹ آئے تو میں اُس کے اجر وثواب کا ضامن ہوں اور اگر وہ شہید ہو جائے تو میں اس کو بخش دوں گا اور اس پر رحم کروں گا)

تشریحات:

☆ اس حدیث میں جہاد فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے) کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اگر وہ جہاد سے زندہ واپس آجائے تو وہ ایسا غازی ہے جو ثواب کے ساتھ مالِ غنیمت بھی لائے گا یا کم ازکم اجر وثواب کا حق دار بن کر لوٹے گا اور اگر مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہوا تو اللہ تعالی اُس کی مغفرت فرمائے گا اور اس کو جنت عنایت فرمائے گا۔ اس کی توضیح بخاری شریف کی درج ذیل حدیث میں ہے:

"عَنْ اَبِيْ مُوْسىٰ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قالَ جاءَ رَجُلٌ اِلىٰ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: الرَّجُلُ يُقاتِلُ لِلْمَغْنَمِ، وَالرَّجُلُ يُقاتِلُ لِلذِّكْرِ، والرَّجُلُ يُقاتِلُ لِيُرىٰ مَكانُهُ، فَمَنْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيا، فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"۔ [صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، رقم الحديث: ۲۸۱۰]

ترجمہ: حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے بیان کیا کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور سوال کیا، ایک آدمی وہ ہے جو مالِ غنیمت کے لیے جنگ کرتا ہے، ایک آدمی شہرت وناموری کے لیے جنگ کرتا ہے اور ایک آدمی اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اس کا مقام

ومرتبہ جان لیا جائے تو اِن سب میں کون راہِ خدا میں جہاد کرنے والا ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اس لیے جنگ کرے تاکہ اللہ کا کلمہ (اس کا دین) سربلند ہو تو اس کی جنگ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۲۱﴾

جنتی بار بار شہادت سے سرفرازی کی تمنا کرے گا

{۲۱} عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يُؤْتىٰ بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ، فَيَقُوْلُ: سَلْ يا ابْنَ آدَمَ، كَيْفَ وَجَدْتَ مَنْزِلَكَ، فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ، خَيْرَ مَنْزِلٍ، فَيَقُوْلُ: سَلْ وَتَمَنَّ، فَيَقُوْلُ: أَسأَلُكَ أَنْ تَرُدَّنِيْ اِلىٰ الدُّنيا فَأُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِما يَرىٰ فَضْلَ الشَّهادَةِ۔ [سنن النسائی، کتاب الجهاد، باب ما يتمنى أهل الجنَة]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنتیوں میں ایک آدمی لایا جائے گا تو اللہ تعالی اُس سے ارشاد فرمائے گا اے ابن آدم! تونے اپنی منزل کو کیسا پایا؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب، بہترین منزل۔ تو اللہ تعالی ارشاد فرمائے گا: مانگ اور تمنا کر، بندہ کہے گا: میں تجھ سے یہی مانگتا ہوں کہ مجھ کو دنیا میں لوٹا دے اور میں تیری راہ میں دس مرتبہ شہید کیا جاؤں (بندہ یہ بات اس لیے عرض کرے گا) کہ اُس نے شہادت کی فضیلت کا مشاہدہ کرلیا ہوگا۔

تشریحات:

☆ اس حدیث میں شہادت کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور حدیث میں دس بار کا ذکر بیانِ عدد مخصوص کے لیے نہیں، بلکہ بیانِ کثرت کے لیے ہے۔

سوال: دنیا میں دس مرتبہ لوٹنے کی آرزو کرنے والا کون ہوگا؟ یہ شہید ہی ہوگا یا دوسرا کوئی جنتی؟

جواب: زیرِ نظر حدیث میں یہ صراحت نہیں کہ جس آدمی کی گفتگو کا بیان ہے وہ شہیدوں میں سے ہوگا یا نہیں؟ لہٰذا اس بات کا احتمال ہے کہ وہ گروہِ شہداء میں سے ہو اور وہ اللہ تعالی سے دنیا میں لوٹنے کا سوال اس لیے کرے کہ اُس نے شہادت کی لذت چکھ لی ہے، لہٰذا اس کی تمنا ہوگی کہ وہ بار بار اس لذت کو حاصل کرے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جس آدمی کی گفتگو بیان کی گئی ہے وہ شہداء میں نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا جنتی ہو جس نے محشر میں شہداء کا مرتبہ اور ثواب دیکھنے کے بعد یہ تمنا کرے۔ لیکن یہ دوسرا احتمال کمزور ہے اور پہلا احتمال ہی قوی ہے اور اس کی تائید بخاری اور مسلم کی درج ذیل روایت سے ہوتی ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ جنتیوں میں سے دنیا میں دوبارہ لوٹنے کی تمنا کرنے والے صرف شہداء ہوں گے:

"مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَأَنَّ لَهُ مَا عَلَى الأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ، غَيْرَ الشَّهِيْدِ، فَإِنَّهُ يَتَمَنّٰى أَنْ يَرْجِعَ فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الكَرَامَةِ۔" [۔۔۔]

ترجمہ: جنت میں داخل ہونے والوں میں کوئی ایسا نہیں جو جنت میں جانے کے بعد پھر دنیا میں لوٹنے کی تمنا کرے اگرچہ اُس کو دنیا کی ساری چیزیں دے دی جائیں، مگر شہید یہ تمنا کرے گا کہ دنیا میں لوٹایا جائے اور دس مرتبہ جامِ شہادت سے سرفراز ہو کیوں کہ اس نے شہادت کا مرتبہ دیکھ لیا ہے۔

ہاں! دنیاوی حیات میں بار بار جامِ شہادت نوش کرنے کی تمنا خود شہنشاہِ کونین علیہ افضل الصلاۃ والسلام نے کی ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے: "وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ، لَوَدِدْتُ أَنِّيْ أُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، ثُمَّ أُحْيٰى، ثُمَّ أُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيٰى، ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْيٰى، ثُمَّ أُقْتَلُ" [متفق عليه، البخاری، رقم الحديث: ۲۹۹۷، صحيح، مسلم، رقم الحديث: ۱۸۷۶]

《حدیث القدسی نمبر: ۲۲》

نذر

{۲۲} عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: لَا يَأْتِي النَّذْرُ عَلَى ابْنِ آدَمَ مِنْ شَيْءٍ لَمْ أُقَدِّرْ عَلَيْهِ، وَلٰكِنَّهُ شَيْءٌ أَسْتَخْرِجُ بِهِ مِنَ البَخِيْلِ، يُؤْتِيْنِيْ عَلَيْهِ مَا لَا يُؤْتِيْنِيْ عَلَيْهِ۔ [مسند احمد]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرمایا: نذر سے ابن آدم کو ایسی کوئی چیز نہیں مل جاتی جو میں نے مقدر نہ کی ہو لیکن (اس میں حکمت یہ ہے کہ) اس کے ذریعہ میں بخیل سے کچھ نکال لیتا ہوں۔ بخیل نذر مان لینے کی صورت میں میری راہ میں وہ خرچ کر دیتا ہے جو (نذر کے بغیر) بخل کی صورت میں خرچ نہ کرتا۔

★ "لا یاتِي النَّذْرُ۔۔۔": اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر کسی نقصان دہ چیز کو دور کرنے کے لیے یا کسی نفع کے حصول کے لیے نذر مانے تو اِس نذر کی وجہ سے نہ نقصان دور ہوگا اور نہ نفع حاصل ہوگا، البتہ اگر اللہ تعالی نے اس نقصان کا دور ہونا یا نفع کا حاصل ہونا مقدر کر دیا ہے تو ایسا ضرور ہوگا، خواہ نذر مانے یا نہ مانے۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ یہ عقیدہ رکھ کر نذر ماننا جائز نہیں کہ نذر تقدیر بدل سکتی ہے ہرگز جائز نہیں، لیکن اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو نذر جائز بلکہ عند اللہ محبوب عمل ہے۔ اور نذرِ شرعی کا پورا کرنا واجب ہے، اس لیے کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: {وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ} [الحج: ۲۹] یعنی: اپنی نذروں کو پورا

کرو۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ نذر صرف عبادتِ مقصودہ کی درست ہے، مثلاً نماز، روزہ، حج اور صدقہ وغیرہ اور عبادتِ غیر مقصودہ جیسے وضو کی نذر صحیح نہیں۔

سوال: نذرِ شرعی کی کیا تعریف ہے؟

جواب: نذرِ شرعی وہ عبادتِ مقصودہ ہے جس کی جنس سے کوئی چیز واجب ہو، لیکن وہ خود بندہ پر واجب نہ ہو اور وہ گناہ بھی نہ ہو اور بندہ نے اپنے قول سے اس کو اپنے ذمہ واجب کر لیا ہو، مثلاً یہ کہا ہو کہ اگر میرا یہ کام ہو جائے تو میرے اوپر اللہ کے لیے دس رکعت نماز ہے۔ اس تعریف سے واضح ہوا کہ درج ذیل صورتوں میں نذر صحیح نہیں:

☆ جس عبادت کی نذر مانی ہو وہ عبادتِ مقصودہ نہ ہو تو یہ نذرِ شرعی نہیں جیسا کہ مثال میں وضو کا ذکر گزرا۔

☆ اگر اُس کی جنس سے کوئی واجب نہ ہو تو اس کی نذر بھی صحیح نہیں، لہٰذا مریض کے عیادت کی نذر مانی تو یہ نذرِ شرعی نہیں کیوں کہ عیادت کے قبیل سے کوئی چیز واجب نہیں۔

☆ یوں ہی فرض نماز، مثلاً نمازِ ظہر کی منت مانی یہ بھی درست نہیں، کیوں کہ یہ تو خود ہی واجب ہے۔

☆ یوں ہی معصیت کی نذر بھی صحیح نہیں اور اُس کا پورا کرنا گناہ بھی ہوگا۔

سوال: عام لوگ اولیاء اللہ کے نام جو نذر مانتے ہیں، مثلاً یہ کہتے ہیں کہ اگر میرا یہ کام پورا ہوا تو میں فلاں مزار پر چادر پیش کروں گا اس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: یہ نذرِ شرعی نہیں اور اِس کا پورا کرنا شرعاً واجب نہیں، لیکن اس کو نذرِ عرفی کہا جاتا ہے اور اِس کے پورا کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ اس کو لازم نہ جانتا ہو اور یہ ایسے ہے جیسے کوئی شاگرد اپنے استاذ سے کہے یہ آپ کی نذر ہے۔

★ ”وَلٰکِنَّہٗ۔۔۔“: سے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بخیل سے اپنی راہ میں کچھ خرچ کروانا چاہتا ہے تو اُس کو کسی پریشانی میں مبتلا فرما دیتا ہے تو وہ بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب، اگر تو میری یہ پریشانی دور فرما دے تو میں اتنا مال تیری راہ میں خرچ کروں گا۔ یعنی: اس طرح اللہ تعالیٰ اس بخیل سے اُس کے عزیز مال کو نکال لیتا ہے۔ علامہ مبارک بن محمد ابن الاثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: ”احادیث میں نذر سے ممانعت کا ذکر کثرت سے آیا ہے اور یہ کثرتِ ذکر نذر کے بارے میں تاکید اور نذر واجب ہونے کے بعد اُس کو پورا کرنے میں سستی سے ڈرانے کے لیے ہے۔ اور اگر اس سے مقصود نذر سے روکنا ہوتا تو اس میں نذر کے حکم کو باطل کرنا اور اُس کو پورا کرنے کے لزوم کو ساقط کرنا ہوتا، کیوں کہ ممانعت کے بعد نذر ماننا گناہ ہوتا اور اُس کو پورا کرنا لازم نہ ہوتا۔ اور ممانعت والی احادیث کی توجیہ یہ ہے کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ نذر اُن کے مقصود کو جلد حاصل کرانے والی نہیں اور نہ ہی اس سے جلد کسی ضرر کو دور کیا جا سکتا ہے اور نہ یہ قضا اور تقدیر ٹالتی ہے۔ اس لیے اس فرمان کا حاصل یہ ہوا کہ تم اس طرح نذر نہ مانو گویا تم نذر مان کر کسی ایسی چیز کو حاصل کر لو گے جو تمھارے لیے مقدر نہیں کی گئی یا تم نذر سے کسی ایسی مصیبت کو دور کر دو گے جو تمھارے لیے مقدر ہو چکی ہے۔ اب جب تم اس اعتقاد کے ساتھ نذر نہیں مانو گے تو پھر تم اُس نذر کو پورا کرو گے، کیوں کہ تم نے جس عبادت کی نذر مان لی ہے وہ تم پر لازم ہو چکی ہے۔ [النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر ج ۵ ص ۳۳ دار الکتب العلمیہ بیروت]

﴿حدیث القدسی نمبر: ۲۳﴾

تین لوگ ایسے ہیں جن کا حساب روزِ قیامت بہت سخت ہوگا

{۲۳} عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ثَلَاثَةٌ أَنَا

خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطٰى بِيْ، ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا، فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا، فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ، وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ۔ [صحيح البخاري، رقم الحديث: ۲۲۲۷]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی نے فرمایا: تین لوگ ایسے ہیں کہ قیامت کے دن میں اُن کا خصم (مقدمہ میں فریق مخالف) رہوں گا ایک وہ جس نے میرا نام ذکر کرکے عہد کیا اور اُس عہد کے خلاف کیا۔ دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد آدمی کو فروخت کرکے اس کا دام کھایا اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور کو اجرت پر رکھا اور اُس سے پورا کام لیا پھر اُس کی اجرت نہیں دی۔

تشریحات:

☆ ''ثَلاثَۃٌ۔۔۔'': اس حدیث میں ''ثلاثۃ'' یعنی تین کا ذکر حصر کے لیے نہیں ہے، بلکہ تین لوگوں کا ذکر کرنا اُن پر شدتِ غضب کے اظہار کے لیے ہے۔ چناں چہ فتح الباری میں ہے: ''وَهُوَ خَصْمٌ لِجَمِيْعِ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا اَنَّهُ اَرَادَ التَّشْدِيْدَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ'' [فتح الباری، ج۷ ص ۲۵۹ الرسالۃ العالمیۃ] یعنی: اللہ تعالی تمام ظالموں کے خلاف خصم ہوگا مگر اِن تین لوگوں کا ذکر اظہارِ شدت کے لیے ہے۔

★ ''رَجُلٌ اَعْطٰى بِيْ۔۔۔'': یعنی: اُن تین لوگوں میں سے پہلا وہ شخص ہے جس نے اللہ کے نام پر عہد کرکے اُس کو توڑ دیا ہو۔ ایسے شخص کو شدید عذاب اس لیے ہوگا کہ اُس نے اللہ تعالی کے نام کے تقدس کا لحاظ نہ کیا۔ دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو فروخت کرکے اُس کا دام کھایا ہو۔ اِس کو شدید عذاب اس لیے ہوگا کہ تمام مسلمان آزاد ہونے میں ایک دوسرے کے برابر ہیں اور ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی مدد کرے، اس کا خیر خواہ ہو اور جس نے کسی آزاد مسلمان کو فروخت کر ڈالا تو اُس نے اس بیچے گیے شخص کو اُن تصرفات سے محروم کر دیا جو اللہ تعالی نے اُس کو عطا کیے تھے اور اُس کے لیے ذلت وخواری کا موقع پیدا کر دیا (واضح رہے کہ اس وقت فروخت کیے جانے

والے غلام تقریباً ناپید ہو چکے ہیں، لیکن پہلے ہوتے تھے اور بے شمار فقہی مسائل خاص اِن سے متعلق ہیں) اور تیسرا وہ شخص ہے جس نے کسی کو اجرت پر رکھ کر اس سے کام لیا اور پھر اسے اجرت نہ دی، یہ بھی دوسرے شخص کی طرح قابل مواخذہ ہے، کیوں کہ جب اُس نے کسی سے کام لے کر اُس کی اجرت نہ دی تو اُس نے اس کام کرنے والے شخص سے غلاموں جیسا سلوک کیا۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۲۴﴾

کثرتِ عبادت سے غنائے قلب کی دولت میسر ہوتی ہے

{۲۴} عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ، اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ: يَا ابْنَ آدَمَ، تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِيْ أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى، وَأَسُدَّ فَقْرَكَ، وَاِلَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَيْكَ شُغْلًا، وَلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ۔ [جامع الترمذي، ابواب صفة القيامة، باب مَنْ كانت الآخرة همُّه، رقم الحديث: ۲۴۶۶، مسند احمد ۲/۳۸۵]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا میں تیرا سینہ غنا اور بے نیازی سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کا راستہ بند کر دوں اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرے ہاتھوں کو کاموں سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کا راستہ بند نہیں کروں گا۔

تشریحات:

★ ''یَا ابْنَ آدَمَ۔۔۔'': اس حدیث میں حکمتِ تخلیق کی طرف رہنمائی کی گئی ہے، جس کا بیان باری کے اس ارشاد میں ہے: {وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ} [الذاریات: ۵۶] یعنی: میں نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اب جو بندہ اپنے آپ کو عبادت کے لیے فارغ کر لیتا ہے تو اللہ تعالی اس کو قناعت اور غنائے قلب کی دولت عطا فرما دیتا ہے اور اُس کی محتاجی دور فرما دیتا

ہے۔شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اسی طرف اشارہ فرمایا: ”تونگری بدل است نہ بہ مال“۔یعنی: اصل مالداری غنائے قلب ہے نہ کہ مال و دولت کی افراط۔اور اگر بندہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف راغب نہیں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو غنائے قلب اور قناعت کی دولت سے محروم رکھتا ہے،اس لیے ایسا انسان دنیا کی کثیر دولت رکھنے کے باوجود بھی غنی نہیں ہوتا ہے،بلکہ مال کی حرص و طمع کی وجہ سے محتاج ہی ہوتا ہے،اسی لیے سرکار علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ”اِنَّ الاَکْثَرِیْنَ ھُمُ الاَقَلُّوْنَ“ [صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۳۸۸] دنیا میں زیادہ مال والے ہی محتاج ہوتے ہیں۔اور شیخ سعدی نے فرمایا: ”آناں کہ غنی ترند محتاج ترند“۔یعنی: غنائے قلب اگر میسر نہ ہو تو جو جتنا بڑا مالدار ہے وہ اتنا ہی بڑا مفلس اور کنگال ہے۔

★ ”وَاِلَّا تَفْعَلْ۔۔۔“: کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقت نہ نکالتا ہو اور دولتِ دنیا کے حصول کی فکر میں لگا ہو تو ایسا شخص دنیا کا حریص اور لالچی بن جائے گا اور وہ اسی میں ہلاک ہو جائے گا،ایسے ہی لوگوں کے حق میں آقائے کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لَوْ لِابْنِ آدَمَ وَادِیَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰی ثَالِثاً، وَلا یَمْلأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلّا التُّرابُ، وَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تابَ۔“ [صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب ما یتقی من فتنۃ المال، رقم الحدیث: ۶۴۳۶] یعنی: اگر ابن آدم کے پاس دو وادی کے برابر مال و دولت ہو تو وہ تیسری وادی کی تلاش میں رہے گا اور آدمی کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہ بھر سکے گی اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

حدیث القدسی نمبر: ۲۵

ذکر کرنے والے بندہ پر خصوصی رحمت ہوتی ہے

{۲۵} عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ، اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ: أَنَا مَعَ

عَبْدِیْ اِذا ھُوَ ذَکَرَنِیْ وَتَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتاہُ۔[أخرجہ االبخاري تعلیقا، کتاب التوحید، باب قول اللہ عز وجل:{لاتحرّک بہ لسانک]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے،انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اُس کے ہونٹ میرے ذکر میں حرکت کرتے ہیں۔

تشریحات:

☆ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ ذکر کی فضیلت کا بیان ہے،ارشاد ہے کہ میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔اِس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو جب تک میرے ذکر میں مشغول رہتا ہے میری خصوصی رحمت اور نصرت و امداد اُس بندہ کے ساتھ ہوتی ہے،کیوں کہ مسند امام احمد بن حنبل میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”اَنَا مَعَ عَبْدِیْ مَا ذَکَرَنِیْ“ آیا ہے اور یہ ”ما“ توقیت کے لیے ہے۔اور بعض روایتوں میں ”حَیْثُما ذَکَرَنِي“ آیا ہے،جس سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندہ کے ساتھ ہوتی ہے جس جگہ بھی وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے،خواہ گھر میں ذکر کرے،یا مسجد میں،بازار میں ہو یا بستر پر۔

★ ”وَتَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتاہ“: اس ارشاد میں واو حالیہ بھی ہو سکتا ہے اور عاطفہ بھی ہو سکتا ہے،اب اگر حالیہ مانا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ ذکرِ لسانی (زبان سے ذکر کرنا) اللہ تعالیٰ کی معیت یعنی رحمت کے حصول کے لیے کافی ہے،خواہ زبان سے ذکر میں حضورِ قلب میسر ہو یا نہ ہو۔لیکن اگر واو کو عاطفہ مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی معیت یعنی: رحمت کے حصول کے لیے صرف زبان سے ذکر کافی نہیں،بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ حضورِ قلب بھی میسر ہو اور یہی دوسرا معنی بہتر ہے،ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری دوسری توجیہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ”ھٰذا أَوْلیٰ ؛ لِاَنَّ الْمُؤَثِّرَ النَّافِعَ ھُوَ الذِّکْرُ مَعَ حُضُوْرِ

القَلبِ“۔ یعنی: واو کا عطف کے لیے ہونا بہتر ہے، کیوں کہ نفع بخش اور پر اثر وہی ذکر ہے جس کے ساتھ حضورِ قلب بھی ہو۔ [مرقاۃ المفاتیح: ج ۵ ص ۱۷]

﴿حدیث القدسی نمبر: ۲۶﴾

تلاوت اور ذکرِ خدا میں مشغول رہنے والوں کو مانگنے سے سوا ملتا ہے

{۲۶} عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَقُوْلُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: مَنْ شَغَلَهُ القُرْآنُ وَذِكْرِيْ عَنْ مَسْأَلَتِيْ أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِيْ السَّائِلِيْنَ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سائِرِ الكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهِ۔ [جامع الترمذي، آخر ابواب ثواب القرآن، رقم الحديث: ۲۹۲۵]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس کو قرآن اور میرے ذکر نے مجھ سے مانگنے سے غافل رکھا تو میں ایسے شخص کو اُس سے افضل چیز عطا کروں گا جو میں مانگنے والوں کو عطا کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت اُس کی مخلوق پر ہے۔

تشریحات:

☆ اس حدیث میں صالحین کی دو جماعتوں میں ایک جماعت (یعنی: اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کی جماعت) کو دوسری جماعت (یعنی: اللہ تعالیٰ سے مانگنے والوں کی جماعت) پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ اللہ کے ذکر میں تلاوتِ قرآن مجید بھی داخل ہے، لیکن خاص تلاوتِ قرآن کی عظمت بیان کرنے کے لیے عطف العام علی الخاص کے قبیل سے قرآن پر ذکر کا عطف کیا گیا ہے۔ اور پھر خاص قرآن حکیم کے شرف اور بزرگی کو بیان کے کرنے کے لیے اس حدیث کے اخیر میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ اللہ

تعالیٰ کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت مخلوق پر ہے۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۲۷﴾

ہولناک وقت میں خدا کو یاد کرنے والا بندہ کامل ترین بندہ ہے

{۲۷} عَنْ عُمارَةَ بْنِ زَعْكَرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ: اِنَّ عَبْدِيْ كُلَّ عَبْدِيَ الَّذِيْ يَذْكُرُنِيْ وَهُوَ مُلاقٍ قِرْنَهُ [جامع الترمذي، ابواب الدعوات، رقم الحديث: ۳۵۷۶]

ترجمہ: حضرت عمارہ بن زَعکَرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرا بندہ یعنی میرا کامل تر بندہ وہ ہے جو میرا ذکر اس حال میں بھی کرتا ہے جب وہ دشمن کے مدمقابل ہو۔

تشریحات:

★ ”الْقِرْن“: (قاف کے کسرہ کے ساتھ): لڑائی میں ہمسر، برابر کے ٹکر کا مقابل، جمع: اَقْران۔

☆ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کامل تر بندہ وہ ہے جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو ذکر کرے حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں بھی جب کہ جان پر بنی ہوا ایسے موقع پر بھی ذکرِ خدا سے غافل نہ ہو۔ قرآن حکیم میں بھی ارشاد ہے: {یا اَیُّها الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْراً لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ} [الانفال: ۴۵] اے ایمان والو! جب تم کسی دشمن جماعت کے مدمقابل ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کا خوب خوب ذکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ واضح رہے کہ اس آیتِ کریمہ میں کامیابی کو دشمن کے مدِّ مقابل ثابت رہنے اور کثرت سے ذکرِ خدا کرنے میں منحصر کر دیا گیا ہے۔

﴿حدیث القدسی نمبر:۲۸﴾

عظمتِ الٰہیہ کے سبب باہم محبت کرنے والے روزِ قیامت امتیازی شان والے ہوں گے

{۲۸} عَنْ أَبِيْ مُسْلِمٍ الخَوْلَانِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ مُعاذَ بْنَ جَبَلٍ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: المُتَحابُّوْنَ فِيْ جَلَالِيْ لَهُمْ مَنابِرُ مِنْ نُوْرٍ، يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَداءُ۔

ترجمہ: حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: مجھ سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ نے حدیث بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: میری عزت وجلال کی خاطر آپس میں محبت کرنے والوں کے لیے ایسے نور کے منبر ہوں گے جن پر انبیائے کرام اور شہدائے عظام فخر کریں گے۔

تشریحات:

★ ''المُتَحابُّوْنَ فِيْ جَلالِيْ۔۔۔'': اس کی قدرے وضاحت یہ ہے کہ جس طرح ایک شیخ کے مریدین اپنے شیخ کی عظمت و بزرگی کے پیشِ نظر اُس کے حلقۂ ارادت میں شریک ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں ایسے ہی اللہ تعالی کے بندے اگر اُس کی عظمت و جلال کی وجہ سے باہم محبت کریں تو اُن کو قیامت کے دن یہ اعزاز بخشا جائے گا کہ اُن کے لیے ایسے نور کے منبر تیار کیے جائیں گے جن پر انبیائے کرام اور شہدائے عظام فخر کریں گے۔

اعتراض: اللہ تعالی کی رضا کے لیے باہم محبت کرنا وہ مقام ہے جو انبیائے کرام کو بلاشبہہ حاصل ہے تو پھر اُن کے رشک کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس کے دو جوابات دیے گیے ہیں: (۱) یہ بات بطورِ فرض وتقدیر ہے، یعنی: انبیائے کرام جو

نہایت اعلی درجات و مراتب والے ہیں اُن کی طرف سے اگر رشک پایا جائے تو وہ ایسے لوگوں پر رشک کریں گے جن میں باہم محبت کی وجہ باری تعالی کا عظمت وجلال ہے۔(۲) اس حدیث میں مذکور ''يَغْبِط'' کا کلمہ رشک کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ محض محبت اور پسندیدگی کے معنی میں ہے، اس لیے حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ ایسے لوگ انبیاء اور شہداء کے بھی محبوب ہوں گے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ ''الکاشف عن حقائق السنن'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''وَالمَعْنى أَنَّ حالَهُمْ عِنْدَ اللهِ تعالى يَوْمَ القِيامَةِ بِمَثابَةٍ لَوْ غَبَطَ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَداءُ يَوْمَئِذٍ مَعَ جَلالَةِ قَدْرِهِمْ لَغَبَطُوْه. أَقُوْلُ: يُمْكِنُ أَنْ تُحمَلَ الغِبْطَةُ هُنا على اسْتِحْسانِ الأَمْرِ المَرْضِيِّ المَحْمُوْدِ فِعْلُهُ، لأنَّهُ لا يُغْبَطُ إلّا فِي الأَمْرِ المَحْمُوْدِ المَرْضِيِّ، فَإنَّ الأنْبِياءَ وَالشُّهَداءَ صَلَواتُ اللهِ يَحْمَدُوْنَ إلَيْهِم فِعلَهُمْ وَيَرْضَوْنَ عَلَيْهِمْ فِيْما تَحَرَّوْا مِنَ المَحَبَّةِ فِي اللهِ''۔ یعنی: مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ روزِ قیامت اللہ تعالی کے حضور اس مرتبہ میں ہوں گے کہ اگر بطورِ فرض وتقدیر انبیائے کرام اور شہداء کی طرف سے رشک پایا جائے تو وہ اِن پر رشک کرتے۔ میں کہتا ہوں ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں ''غِبطة'' پسندیدہ اور قابل تعریف فعل کے معنی میں ہو، کیوں کہ انبیائے کرام اور شہداء صلوات اللہ علیہم اُن کے اِس کام کی تعریف کریں گے اور اُس پر راضی ہوں گے کہ انھوں نے اللہ کی رضا کے لیے باہم محبت کا قصد کیا۔

﴿حدیث القدسی نمبر:۲۹﴾

بندگانِ خدا کے ساتھ حسنِ سلوک سے پروردگار خوش ہوتا ہے

{۲۹} عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ يَوْمَ القِيامَةِ: يَا ابْنَ آدَمَ، مَرِضْتُ، فَلَمْ تَعُدْنِيْ؟ قَالَ: يا رَبِّ، كَيْفَ أَعُوْدُكَ وَأَنْتَ رَبُّ العالَمِيْنَ؟ قَالَ:

أَما عَلِمْتَ أَنَّ عَبدِيْ فُلاناً مَرِضَ، فَلَمْ تَعُدْهُ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّکَ لَوْ عُدْتَّهُ لَوَجَدْتَنِيْ عِنْدَهُ. يَا ابْنَ آدَمَ، اسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي؟ قَالَ: يَا رَبِّ، وَكَيْفَ أُطْعِمُکَ، وَأَنْتَ رَبُّ العالَمِيْنَ؟ قَالَ: أَما عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَکَ عَبْدِيْ فُلانٌ، فَلَمْ تُطْعِمْهُ، أَمَا عَلِمْتَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذٰلِکَ عِنْدِيْ. يَا ابْنَ آدَمَ، اسْتَسْقَيْتُکَ، فَلَمْ تَسْقِنِيْ؟ قَالَ: يَا رَبِّ، كَيْفَ أَسْقِيْکَ، وَأَنْتَ رَبُّ العَالَمِيْنَ؟ قَالَ: اسْتَسْقاکَ عَبْدِيْ فُلانٌ، فَلَمْ تَسْقِهِ، أَما أَنَّکَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذٰلِکَ عِنْدِيْ. [صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والادب، باب فضل عيادة المريض، رقم الحديث: ۴۲۳۳]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی؟ وہ شخص عرض کرے گا: اے میرے رب! میں کیسے تیری عیادت کرتا حالاں کہ تو رب العالمین ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا اگر تو اُس کی عیادت کرتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا؟ بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا، حالاں کہ تو رب العالمین ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اگر تو اُس کو کھانا کھلا دیتا تو اُس کا اجر میرے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے مجھے پانی نہیں پلایا؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں تجھے پانی کیسے پلاتا، حالاں کہ تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا اگر تو اُس کو پانی پلا دیتا تو اُس کو میرے پاس پاتا۔

تشریحات:

سوال: ”یاابنَ آدمَ مَرِضتُ“: میں مرض کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کس طرح کی گئی ہے حالاں کہ وہ مرض سے پاک ہے بلکہ مخلوقات کے تمام عوارض سے پاک ہے؟

جواب: یہاں مجازی طور پر اللہ تعالیٰ کا بندہ مراد ہے، اس لیے میں بیمار ہوا کا معنی یہ ہوگا کہ میرا بندہ بیمار ہوا، بندہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بندہ کے مرض کی نسبت اپنی طرف کی، اسی طرح کھانا کھلانے اور پانی پلانے کی نسبت میں بھی یہی معنی مراد ہے۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۳۰﴾

مصیبت پہنچنے کے شروع وقت میں صبر کرنے پر بڑا اجر ہے

{۳۰} عَنْ أَبِيْ أُمامَةَ البَاهِلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ... سُبْحانَهُ: ابْنَ آدَمَ، إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الأُوْلٰى لَمْ أَرْضَ لَکَ ثَواباً اِلَّا الجَنَّةَ. [سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ماجاء في الصبر على المصيبة، رقم الحديث: ۱۳۰۸]

ترجمہ: حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا: اے ابن آدم! اگر تو نے پہلے صدمہ (مصیبت کا پہلے جھٹکے) کے وقت صبر کیا ہوتا اور حصولِ ثواب کی امید کی نیت کی ہوتی تو میں تیرے لیے جنت کے سوا کسی اور صلہ پر راضی نہ ہوتا۔

تشریحات:

★ ”ابن آدَمَ...“: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مصیبت پہنچنے پر اولاً صبر کرنے اور حصولِ ثواب کی نیت اور امید میں بڑا ثواب ہے۔ اور ایسا اس لیے ہے کہ اگر مصیبت طویل مدت تک باقی رہے تو صبر آہی جاتا ہے، لیکن اُس پر اجر نہیں ہے، کیوں کہ وہ اختیاری نہیں، مرقات میں ہے: ”قَالَ الطِّيْبِي: فَيَصِيرُ الصَّبْرُ طَبْعاً فَلا يُؤْجَرُ عَلَيْهِ، انتهى۔ أَمَّا إذا لَمْ يَصِرِ الصَّبْرُ طَبْعاً ثُمَّ تَذَكَّرَ المُصِيْبَةَ، ثُمَّ صَبَرَ وَلَوْ طالَ العَهْدُ فَيُثابُ، وَلٰكِنَّ الدَّرَجَةَ الأَعْلٰى عِنْدَ الصَّدْمَةِ الأُوْلٰى۔“ [المرقاة شرح المشكاة ۴/۹۰] یعنی: علامہ طیبی علیہ الرحمہ نے فرمایا: تو اگر بتقاضائے فطرت صبر ہو جائے تو اُس پر کوئی اجر

نہیں۔اور اگر طبعاً صبر نہ حاصل ہو اور مصیبت یاد کر کے صبر کرے تو اگر چہ طویل زمانہ گزر گیا ہو ثواب پائے گا لیکن بلند درجہ کا ثواب پہلے صدمہ کے وقت صبر کرنے پر ہے۔ایک حدیث سے اس کی مزید توضیح ہوتی ہے:"عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِکٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بِامْرَأَۃٍ تَبْکِي عِنْدَ قَبْرٍ، فَقَالَ: اتَّقِي اللّٰہَ، وَ اصْبِرِي، قَالَتْ: اِلَیْکَ عَنِّي، فَإِنَّکَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِیْبَتِي، وَ لَمْ تَعْرِفْہ، فَقِیْلَ لَھا: إِنَّہُ النَّبِيُّ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ، فَأَتَتْ بَابَ النَّبِيِّ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَہُ بَوَّابِیْنَ، فَقَالَتْ: لَمْ أَعْرِفْکَ، فَقَالَ: "إِنَّما الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَۃِ الأُوْلٰی۔" [متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے پاس رو رہی تھی، تو آپ نے اس سے فرمایا: اللہ سے ڈر اور صبر کر۔اس عورت نے جواب دیا: آپ یہاں سے جائیے، آپ نے اس طرح کی مصیبت کا سامنا نہیں کیا ہے۔اس عورت نے حضور علیہ السلام کو پہچانتی نہ تھی۔اس کو بتایا گیا کہ بے شک وہ نبی اکرم ﷺ تھے تو وہ نبی اکرم ﷺ کے دروازہ پر حاضر ہوئی وہاں اس نے کوئی دربان نہ پایا تو اس عورت نے عرض کیا: میں نے آپ کو پہچانا نہیں، تو حضور نے فرمایا: صبر تو پہلے صدمہ کے وقت ہی ہے۔

﴿حدیث القدسی نمبر:۳۱﴾

اللہ تعالی کی رحمت اُس کے غضب پر سابق ہے

{۳۱} عَنْ أَبِي ھُرَیْرَۃَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ، قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ: سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي۔[صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب سعۃ رحمۃ اللہ تعالی وَ أَنَّھا تَغْلِبُ غَضَبَہُ، رقم الحدیث: ۶۹۷۰]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت

کیا کہ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرمایا: میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے۔

تشریحات:

★ "سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي": اس حدیث میں ہے کہ "میری رحمت میرے غضب سے سابق ہے" علامہ عینی علیہ الرحمہ نے فرمایا:"فِيْ سَبَقِ الرَّحْمَۃِ اِشارۃٌ اِلیٰ أَنَّ قِسْطَ الخَلْقِ مِنْھا أَکْثَرُ مِنْ قِسْطِھِمْ مِنَ الغَضَبِ، وَ أَنَّھا تَنالُھُمْ مِنْ غَیْرِ اسْتِحْقاقٍ، وَ أَنَّ الغَضَبَ لا یَنالُھُمْ اِلّا بِاسْتِحْقاقٍ، فَالرَّحْمَۃُ تَشْتَمِلُ الشَّخْصَ جَنِیْناً وَ رَضِیْعاً وَ فَطِیْماً وَ ناشِئاً قَبْلَ أَنْ یَّصْدُرَ مِنْہُ شَيْءٌ مِّنَ الطَّاعَۃِ، وَلا یَلْحَقُہُ الغَضَبُ اِلَّا بَعْدَ أَنْ یَّصْدُرَ عَنْہُ مِنَ الذُّنُوْبِ مَا یَسْتَحِقُّ مَعَہُ ذٰلِکَ۔" (عمدۃ القاری: ۱۵/ ۱۵۳، ۱۵۲ مکتبہ دار الکتب العلمیہ) یعنی: رحمت کے سابق ہونے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالی جن پر رحم فرماتا ہے ان کی تعداد ان سے بہت زیادہ ہے جن پر غضب فرماتا ہے نیز اللہ تعالی بغیر استحقاق کے رحم فرماتا ہے جب بندہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور جب وہ دودھ پیتا ہے اور جب وہ روٹی کھانے لگتا ہے اور اس کے بعد کی عمر میں، یعنی وہ اوقات جن میں اُس نے کوئی عبادت نہیں کی ہوتی ہے (جس کا تقاضہ اس پر رحمت ہو) اور بندہ پر غضب اسی وقت فرماتا ہے جب وہ گناہ کر کے غضب کا مستحق ہو جاتا ہے۔واللہ اعلم۔

﴿حدیث القدسی نمبر:۳۲﴾

ذکر کرنے والے اور اللہ سے ڈرنے والے بندہ کو جہنم سے رہائی نصیب ہوگی

{۳۲} عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِکٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ، یَقُوْلُ اللّٰہُ: أَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَکَرَنِي یَوْماً أَوْ خافَنِي فِي مُقامٍ۔[جامع الترمذي، ابواب صفۃ جھنم، باب ما جاءَ أَنَّ لِلنَّار نَفَسینِ، رقم الحدیث: ۲۵۹۴]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالی فرمائے گا: جہنم سے اُس کو نکالو جس نے کسی دن میرا ذکر کیا ہو یا کسی جگہ مجھ سے ڈرا ہو۔

تشریحات:

★ ''أَخْرِجُوا مِنَ النَّار'': اس حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ اللہ تعالی اپنے اُن بندوں پر بھی کرم فرمائے گا جو اپنی بری کرتوت کی وجہ سے جہنم کے مستحق بن گیے ہوں گے اور انھیں جہنم میں داخل بھی کر دیا گیا ہوگا۔ اب جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اور جس نے کبھی اللہ کو یاد کیا ہوگا تو اسے اللہ تعالی کے حکم سے جہنم سے رہائی عطا کر دی جائے گی۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۳۳﴾

بارش کے بارے میں ستاروں کو موثر حقیقی ماننا کفر ہے

{۳۳} عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الجُهَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلاةَ الصُّبْحِ بِالحُدَيْبِيَةِ عَلٰى اِثْرِ سَماءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ، أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: هَلْ تَدْرُوْنَ مَا ذا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوْا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كافِرٌ بِالكَوْكَبِ۔ وَ أَمّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنا بِنَوْءِ كَذا، فَذٰلِكَ كافِرٌ بِيْ وَ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ۔ [متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب يستقبل الامام الناس اِذا سَلَّمَ، رقم الحديث: ۸۴۶] صحيح مسلم، رقم الحديث: ۲۲۷]

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جُہنی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ نے حدیبیہ میں ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور اس سے پہلے رات میں بارش ہوئی تھی، جب نماز سے

فارغ ہوئے تو لوگوں کی جانب رخ انور کیا اور دریافت فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اُس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ (فرمایا) اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: میرے بندوں میں سے کچھ مومن ہوئے، کچھ کافر۔ جن لوگوں نے یہ کہا: اللہ تعالی کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں، ستاروں کا انکار کرنے والے ہیں اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہم پر بارش فلاں فلاں نچھتر سے ہوئی وہ میرے منکر اور ستاروں کے ماننے والے ہوئے۔

تشریحات:

☆ ''صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلاةَ الصُّبْحِ بِالحُدَيْبِيَةِ'': اس حدیث میں ''حُدَيْبِيَه'' کا ذکر ہے۔ حدیبیہ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک کوئیں کا نام ہے اس کا بعض حصہ حِل میں ہے اور بعض حرم میں ہے، ذوالقعدہ سن ۶ رہجری میں حضور اقدس ﷺ عمرہ کی نیت سے تشریف لے جا رہے تھے، حدیبیہ پہونچے تو مشرکین مکہ نے روک دیا پھر صلح کر کے آپ ﷺ واپس ہو گئے اور سال آئندہ ۷ رہجری میں عمرہ فرمایا۔ یہیں ''بيعَةُ الرِّضوان'' ہوئی تھی۔ ''حُدَيْبِيَه'': یہ ''حدبا'' کی تصغیر ہے جو ایک درخت کا نام ہے اہل حجاز اسے بلا تشدید ''حُدَيْبِيَه'' پڑھتے ہیں جب کہ عراقی اس کو دوسری یا کی تشدید کے ساتھ ''حُدَيْبِيَّة'' پڑھتے ہیں اور اکثر محدثین بھی مشدد پڑھتے ہیں۔

☆ اس حدیث میں ''سماء'' سے مراد بارش ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: ''سَماءٌ: أَيْ: مَطَرٌ، وَ اُطْلِقَ عَلَيْهِ سَماءٌ لِكَوْنِهِ يَنْزِلُ مِنْ جِهَةِ السَّماءِ، وَ كُلُّ جِهَةِ عُلُوٍّ تُسَمّٰى سَماءً''۔ [فتح الباری ج ۴ ص ۱۶۷، مکتبۃ الرسالۃ العالمیۃ] یعنی: اس حدیث میں بارش کو سماء کہا گیا، کیوں بارش ''سماء'' یعنی آسمان کی جانب سے نازل ہوتی ہے اور ہر بلند جانب کو ''سماء'' کہہ دیتے ہیں۔

☆ ''هَلْ تَدْرُوْنَ۔۔۔'': یہ سوال سرکار علیہ السلام نے صحابہ سے اس لیے کیا تھا تا کہ اس کا جواب افادہ فرمائیں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''هٰذا مِنَ الاَحادِيْثِ الالٰهِيَّةِ، وَهِيَ تَحْتَمِلُ أَنْ

یَکُوْنَ النَّبِيّ ﷺ أَأَخَذَها عَنِ اللّٰہِ بِلا واسِطَۃٍ اَو بِواسطۃٍ" [فتح الباری ۴/۱۶۷] یعنی: یہ حدیث احادیث قدسیہ میں سے ہے اور اِس بات کا احتمال ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ تعالی سے بغیر کسی واسطہ کے اس کو لیا ہو یا کسی واسطہ سے۔

☆ "أَصْبَحَ مِنْ عِبادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ کافِرٌ": اس حدیث میں یہ احتمال ہے کہ کافر سے مراد کفر حقیقی یعنی: ایمان کی ضد ہو اور یہ اُس وقت ہو گا جب ایسا کہنے والا یہ اعتقاد رکھے کہ ستارے بارش برسانے میں موثر حقیقی ہیں اور وہی بارش برساتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے: "یَکُوْنُ النّاسُ مُجْدِبِیْنَ، فَیُنْزِلُ عَلَیْھِمْ رِزْقاً مِنْ رِّزْقِهٖ، فَیُصْبِحُوْنَ مُشْرِکِیْنَ، یَقُوْلُوْنَ: مُطِرْنا بِنَوْءِ کَذا" [مسند احمد بن حنبل: ۱۵۵۳۷] لوگ قحط کا شکار ہوتے ہیں پھر اللہ تعالی اپنے رزق سے میں ایک رزق یعنی بارش نازل فرماتا ہے تو لوگ یہ کہہ کر مشرک ہو جاتے ہیں کہ ہم پر اس نچھتر سے بارش ہوئی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ کافر سے مراد ناشکری کرنے والا مراد ہو، مگر یہ اُس وقت ہو گا جب یہ اعتقاد ہو کہ فاعل حقیقی اللہ تعالی ہے، یعنی: یہ عقیدہ ہو کہ بارش اللہ تعالی کے حکم سے ہوتی ہے، جیسا کہ مسلم شریف کی ایک حدیث میں کافر سے مراد ناشکری کرنے والا ہے: "أَصْبَحَ مِنَ النّاسِ شاکِرٌ وَ مِنْھُمْ کافِرٌ" [صحیح مسلم: ۷۳] کچھ لوگ شکر گزار ہوئے اور کچھ اُن میں سے ناشکرے ہوئے۔

☆ "فَاَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنا۔۔۔": اس قول میں اس جانب اشارہ ہے کہ مومن کو نعمتِ الٰہیہ کے حصول پر شکر گزار ہونا چاہیے، خاص کر بارش ہونے پر اس طرح کہنا چاہے کہ اللہ تعالی کے فضل اور اُس کی رحمت سے بارش ہوئی اور اگر یہ کہا کہ فلاں نچھتر سے بارش ہوئی یا فلاں ستارے نے بارش کی اور کہنے والے نے نچھتر یا ستارے کو فاعل حقیقی سمجھ کر کہا تو یہ کفر ہے۔

☆ "بِنَوْءِ": "نَوْء": ناءَ یَنُوْءُ (نصر ینصر) سے آتا ہے، اس کا معنی مشقت کے ساتھ اٹھنا ہے۔ "نوء" کی جمع "اَنْواء" ہے۔ یہ اٹھائیس ستارے ہیں تیرہ دن میں اُن میں سے ایک مغرب میں

ڈوبتا ہے اور اُس کے مقابل مشرق میں ایک طلوع ہوتا ہے۔ جب اُن میں سے کوئی ڈوبتا اور اس کا مقابل طلوع ہوتا تو زمانہ جاہلیت میں عرب کہتے کہ اب بارش ہو گی، یا نفع ہو گا، جس طرح ہمارے ہندوستان کے مشرکین میں نچھتروں کے بارے میں بارش کے سلسلہ میں اعتقاد رکھتے ہیں۔

﴿ حدیث القدسی نمبر: ۳۴ ﴾

ہر رات میں یک تہائی رات باقی رہنے پر اللہ تعالی آسمانِ دنیا پر تجلی فرماتا ہے

{۳۴} عَنْ أَبِيْ هُرَیْرَۃَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قالَ: یَتَنَزَّلُ رَبُّنا تَبارَکَ وَ تَعالٰی کُلَّ لَیْلَۃٍ اِلٰی سَماءِ الدُّنْیا حِیْنَ یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الآخِرِ، فَیَقُوْلُ: مَنْ یَّدْعُوْنِي فَأَسْتَجِیْبَ لَہُ، مَنْ یَّسْأَلُنِيْ فَأُعْطِیَہُ، مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرَ لَہُ۔ [صحیح البخاري، کتاب الدعوات، باب الدعاء نصف اللیل، رقم الحدیث: ۶۳۲۱]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالی اپنی شان کے مطابق آسمان دنیا کی طرف اس وقت نزول فرماتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اُس کی پکار کا جواب دوں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کو عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کو بخش دوں؟

تشریحات:

★ "یَتَنَزَّلُ رَبُّنا۔۔۔": اس حدیث میں جو باری تعالی کے نزول کا ذکر ہے تو یہ متشابہات میں سے ہے، جس کا لفظی معنی مراد نہیں لیا جا سکتا، اس لیے کہ اگر اس کا لفظی اور حقیقی معنی مراد لیا جائے تو اللہ تعالی کے لیے جہت و مکان ثابت ماننا ہو گا، حالاں کہ وہ جہت و مکان سے پاک ہے۔ اسی لیے جمہور سلفِ صالحین، ائمہ اربعہ، حضرت سفیان ثوری، حضرت سفیان بن عیینہ، حضرت اوزاعی اور حضرت لیث رضی اللہ

تعالیٰ عنہم وغیرہ نے کہا کہ ہم اس حدیث پر اجمالاً ایمان لائے لیکن ہمیں نزول کی کیفیت کا علم نہیں، اللہ تعالیٰ مکان وجہت سے پاک ہے، نیچے اترنے اور اوپر چڑھنے سے منزہ ہے۔ اور یہی قولِ مختار اور اسلم ہے۔ متشابہات کے بارے میں دوسرا مذہب متاخرین کا ہے جو متشابہات کے لیے ایسی تاویل کے قائل ہیں جو مسلماتِ عقل وشرع کے خلاف نہ ہو، اس قول کی رو سے اس ارشاد کی چند تاویلیں کی گئی ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کے نزول سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوتا ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ نازل ہوتا ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ دعا کرنے والوں کے اوپر خصوصی رحمت نازل فرماتا ہے اور اُن کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ اس تاویل کی تائید حسب ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے: ”اِنَّ اللّٰہَ یُمْھِلُ حَتّٰی یَمْضِيَ شَطْرُ اللَّیْلِ، ثُمَّ یَاْمُرُ مُنادِیاً یَقُوْلُ: ھَلْ مِنْ داعٍ فَیُسْتَجابُ لَہُ۔“ [السنن الکبری للنسائی، رقم الحدیث: ۱۰۴۲] یعنی: اللہ تعالیٰ مہلت دیتا رہتا ہے حتی کہ آدھی رات گزر جاتی ہے، پھر ایک ندا دینے والے کو حکم دیتا ہے جو کہتا ہے: ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اُس کی دعا قبول کی جائے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا، یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس وقت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: آدھی رات کے بعد [مسند احمد ۵/۱۷۹]

نیک لوگوں کا ہمیشہ سے معمول ہے کہ وہ رات کے پچھلے پہر اٹھ کر استغفار کرتے ہیں اُن کے اِس پاکیزہ عمل کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی ہے: {وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحارِ} [آل عمران: ۱۷][الاستذکار ج۸: ص ۱۵۱ موسسۃ الرسالۃ بیروت]

★ ”مَنْ یَّدْعُوْنِيْ فَأَسْتَجِیْبُ لَہُ۔۔۔“: اس حدیث میں ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اُس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ

سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کو بخش دوں؟ اِن تینوں دعاؤں کو خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اِنسان کا مطلوب یا تو ضرر (نقصان) دور کرنا ہو گا یا نفع حاصل کرنا ہوا اور نفع کی صورت میں وہ نفع یا تو دینی ہو گا یا دنیاوی۔ استغفار میں دینی نفع کی طرف اشارہ ہے، سوال میں دنیاوی نفع کی طرف اشارہ ہے اور دعا میں ضرر دور کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

اعتراض: یہ وقت اگر خاص دعا کی قبولیت کا وقت ہے تو پھر اس وقت مانگی گئی دعائیں بھی کبھی نامقبول کیوں ہو جاتی ہیں؟

جواب: دعا کی قبولیت کی کچھ شرطیں ہیں، اس لیے ہوسکتا ہے کہ اِن اوقات میں جس مانگنے والے کی دعا قبول نہ ہو وہ دعا کی مطلوبہ شرطیں نہ پوری کرتا ہو، مثلاً وہ کھانے پینے اور پہننے میں حرام سے احتراز نہ کرتا ہو یا کسی گناہ والے کام یا قطعِ رحم کی دعا کرتا ہو۔ پھر دعا کی قبولیت اسی میں منحصر نہیں کہ بندہ جو مانگے وہی مل جائے، بلکہ کبھی دعا یوں بھی مقبول ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کے ذریعہ مانگی گئی چیز سے بہتر عطا کر دیتا ہے، یا اس دعا کی وجہ سے آنے والی کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔ دعا کی قبولیت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آخرت میں اس کا ثواب محفوظ کر دیا جائے، اسی لیے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ بندہ روزِ قیامت اپنی اُن دعاؤں کا اجر دیکھے گا جو دنیا میں قبول نہ ہوئیں تو وہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول ہی نہ ہوئی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کثرتِ دعا کی توفیق بخشے۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۳۵﴾

چاشت کی نماز پڑھنے والا دن بھر اللہ تعالیٰ کی حفظ وامان میں ہوتا ہے

{۳۵} عَنْ أَبِي الدَّرْداءِ وَأَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْھُما، عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عَنِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ،

أَنَّهُ قَالَ: ابْنَ آدَمَ، ارْكَعْ لِيْ مِنْ أَوَّلِ النَّهارِ أَرْبَعَ رَكعاتٍ أَكْفِكَ آخِرَهُ۔ [جامع الترمذي، ابواب الصلاۃ، باب صلاۃ الضحی، رقم الحدیث: ۴۷۵]

ترجمہ: حضرت ابو درداء اور حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا اور حضور علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے روایت کیا کہ اس نے ارشاد فرمایا: اے ابن آدم! دن کے ابتدائی حصہ میں (یعنی: چاشت کے وقت) میرے لیے چار رکعت نماز پڑھ لے میں دن کے آخر حصہ تک تیرے لیے کافی ہوں۔

تشریحات:

☆ اس حدیث میں دن کے ابتدائی حصہ میں چار رکعت سے چاشت کی چار رکعت نماز مراد ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس حدیث میں اسی نماز کی جانب راغب کیا ہے۔ اس نماز کی طرف راغب کرنے کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ چاشت کے وقت لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں، اس لیے ارشاد ہوا کہ جو کاموں کی مشغولیت کے اِس وقت میں چار رکعت نمازِ چاشت پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ نے شام تک اِن رکعتوں کے صلہ میں اس کی تمام ضرورتیں پوری فرمانے کا اپنے اوپر ذمہ لیا ہے۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۳۶﴾

ایک فتنہ کے وقوع کی خبر

{۳۶} عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُما، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ، اِنَّ اللّٰهَ تَعالٰی قَالَ: لَقَدْ خَلَقْتُ خَلْقاً أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلٰى مِنَ العَسَلِ، وَقُلُوْبُهُمْ أَمَرُّ مِنَ الصَّبِرِ، فَبِيْ حَلَفْتُ لَاُتِيْحَنَّهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الحَلِيْمَ مِنْهُمْ حَيرَانَ، فَبِيْ يَغْتَرُّوْنَ أَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِءُوْنَ۔ [سُنن الترمذي، كتاب الزهد، رقم الحديث: ۲۴۰۶]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے ایسی مخلوق پیدا فرمائی ہے جن کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور اُن کے دل ایلوا سے زیادہ کڑوے ہوں گے۔ میں اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ضرور اُن کے لیے ایسا فتنہ مقدر کروں گا کہ وہ فتنہ اُن میں جو بردبار ہوگا اُس کو بھی حیران کر ڈالے گا۔ تو وہ میرے بارے میں مبتلائے فریب ہیں یا میرے بارے میں جری اور نڈر ہیں۔

تشریحات:

☆ ''لَقَدْ خَلَقْتُ خَلْقاً'': اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کو پیدا فرمائے گا جو چاپلوسی اور مداہنت میں ایسے میٹھے بول بولیں گے کہ محسوس ہوگا کہ اُن کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہیں۔ لیکن اُن کے دل ایلوے (ایک نہایت ہی کڑوا پھل) سے زیادہ کڑوے ہوں گے۔ حاصل یہ ہے کہ وہ مکر و منافقت کریں گے۔

★ ''فَبِيْ حَلَفْتُ'': یعنی: اللہ تعالیٰ نے اپنی قسم کھا کر ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قسم اس لیے کھائی کہ وہی سب سے بڑا ہے اور اُس سے بڑا کوئی نہیں لہٰذا کوئی اس کا مستحق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس کی قسم کھائے۔ ہاں! کبھی کسی چیز کو عظمت بخشنے کے لیے اللہ تعالیٰ اُس چیز کی قسم کھاتا ہے، جس طرح رسول اکرم ﷺ سے نسبت رکھنے والے مقدس شہر کی قسم وغیرہ، لیکن بندوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علاوہ کسی اور کی قسم کھائیں اگرچہ وہ بہت معظم و مکرم کیوں نہ ہو، سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''أَلَا اِنَّ اللّٰهَ يَنْهاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبائِكُمْ، فَمَنْ كانَ حالِفاً فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ وَاِلَّا فَلْيَصْمُتْ''۔ [متفق علیه، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۱۰۸ صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۶۴۶] یعنی: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ تم کو اس سے منع فرماتا ہے کہ تم لوگ اپنے باپ دادا کی قسم نہ کھاؤ، اگر کسی کو

کھانے کی حاجت ہو تو اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔

★ ”لَاُتِیۡحَنَّھُمۡ فِتۡنَۃً۔۔۔“: یعنی: میں اُن کے لیے فتنہ مقدر کر دوں گا اور وہ اُن پر اس طرح مسلط کر دوں گا کہ وہ اس فتنہ میں اس طرح مبتلا ہو جائیں گے اور اُس سے جدا نہ ہو سکیں گے اور اس فتنہ کی شدت کا عالم یہ ہوگا کہ اُن میں جو بردبار اور مضبوط قوتِ برداشت کا مالک ہوگا وہ بھی سخت حیرانی کی حالت میں ہوگا۔ یعنی: اللہ تعالیٰ اُن کے گناہوں کے سبب انھیں ہدایت کی توفیق نہ دے گا لہٰذا وہ نجات نہ پاسکیں گے۔

★ ”فَبِیۡ یَغۡتَرُّوۡنَ۔۔۔“: اس میں ہمزۂ استفہام مقدر ہے، ایسے ہی ”اَمۡ عَلَیَّ یَجۡتَرِءُوۡنَ“ میں ”اَمۡ“ کا کلمہ ”بل“ کے معنی میں ہے، تو اب معنی یہ ہوگا: تو کیا وہ لوگ میرے بارے میں فریب کا شکار ہیں بلکہ وہ لوگ گناہ کرنے ڈھیٹ اور جری ہو جائیں گے۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۳۷﴾

روزہ رکھنے والوں پر انعاماتِ ربانیہ

{۳۷} عَنۡ أَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ، أَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قالَ: قالَ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ: کُلُّ عَمَلِ ابۡنِ آدَمَ لَہُ اِلَّا الصِّیامُ، فَاِنَّہُ لِیۡ وَ أَنا اَجۡزِیۡ بِہِ، وَ الصِّیامُ جُنَّۃٌ، وَاِذا کانَ صَوۡمُ أَحَدِکُمۡ فَلایَرۡفُثۡ وَلا یَصۡخَبۡ، فَاِنۡ سابَّہُ أَحَدٌ أَوۡ قاتَلَہُ فَلۡیَقُلۡ: اِنِّیۡ امۡرُؤٌ صائِمٌ، وَالَّذِیۡ نَفۡسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہِ لَخُلُوۡفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطۡیَبُ عِنۡدَ اللّٰہِ مِنۡ رِیۡحِ المِسۡکِ۔ لِلصَّائِمِ فَرۡحَتانِ یَفۡرَحُھُما: اِذا اَفۡطَرَ فَرِحَ، وَاِذا لَقِیَ رَبَّہُ فَرِحَ بِصَوۡمِہِ“۔ [صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب ھل یقول: اِنِّی صائمٌ اِذا شُتِمَ، رقم الحدیث: ۱۹۰۴]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپ

نے کہا: اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ابن آدم کا ہر عمل اپنے لیے ہے، لیکن روزہ؛ کیوں کہ وہ میرے لیے اور میں (اپنی شانِ کریمی کے شایاں) اُس کا بدلہ عنایت کروں گا۔ روزہ (گناہوں کے لیے) ڈھال ہے، جب تم میں کوئی روزہ سے ہو تو بے ہودہ بات نہ کرے اور شور وشغب نہ کرے، اب اگر کوئی اُس سے گالی گلوچ کرے اور یا اس سے لڑائی کرنا چاہے تو اس سے کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ خوش گوار ہے۔ روزہ دار کو دو خوشی میسر ہوتی ہے، ایک تو جب وہ افطار کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور دوسرا جب اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا اس وقت خوش ہوگا۔

تشریحات:

سوال: انسان کے ہر نیک عمل کو اس کے لیے کہا گیا اور روزہ کے بارے میں ارشاد ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یہ فرق کیوں ہے؟

جواب: انسان کے دیگر نیک اعمال میں ریا کا دخل ہوسکتا ہے، لیکن روزہ ایسی عبادت ہے جو ریا سے محفوظ ہے اس لیے اس کو باری تعالیٰ نے اپنے لیے فرمایا۔

سوال: ہر نیک کام کا ثواب تو اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے تو خاص روزہ کے بارے میں ”اَنَا اَجۡزِیۡ بِہٖ“ (میں اس کا بدلہ دوں گا) کیوں ارشاد ہوا؟

جواب: واقعی ہر نیک کام کا ثواب اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے اور ہر نیکی کا بدلہ دس گنا سے سات سو تک بلکہ اس سے زائد جتنا اللہ چاہے عطا فرماتا ہے، جیسا کہ حدیث نمبر (۳) کی تشریح میں گزرا، لیکن روزہ کے ثواب کو اللہ جل شانہ نے اپنی طرف منسوب کر کے اس کے نہایت عظیم الشان ثواب عطا کرنے کی بشارت دی ہے، کیوں کہ دنیا کا ایک معمولی جاہ وجلال کا انسان چھوٹا انعام دینا پسند نہیں کرتا ہے، تو جس انعام کی نسبت رب العالمین احکم الحاکمین کی طرف ہو اس کی عظمتوں کا اندازہ کیسے لگایا جاسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے

کہ میں اپنی شانِ کریمی کے شایاں روزہ دار کو اس کے روزہ کا ایسا عظیم الشان بدلہ عطا کروں گا جس کی عظمتوں کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ نیز چوں کہ روزہ میں کھانے والی چیزوں سے صبر، پینے والی چیزوں سے صبر اور جنسی خواہشات سے صبر یعنی متعدد قسم کے صبر مجتمع ہیں، اس لیے اس کا ثواب بہت عظیم رکھا گیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے {اِنَّما یُوَفَّی الصابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسابٍ} [الزُّمَر: ۱۰] صبر کرنے والوں کو ان کا صلہ بے حساب عطا کیا جائے گا۔

سوال: روزہ کے ڈھال (جُنَّة) ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: جس طرح ڈھال انسان کو تلوار کے وار سے اپنے کو بچاتی ہے، یوں ہی روزہ مسلمان کو جہنم سے بچاتا ہے، اس لیے روزہ کو ڈھال سے تعبیر کیا گیا؟

﴿حدیث القدسی نمبر: ۳۸﴾

سورۂ فاتحہ پڑھنے والے پر انعاماتِ ربانیہ

{۳۸} عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: "قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ، وَ لِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ، فَإِذا قَالَ الْعَبْدُ: {اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ} قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: حَمِدَنِيْ عَبْدِي، وَإِذا قَالَ: {الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم} قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِي، وَ إِذا قَالَ: {مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ} قَالَ: مَجَّدَنِيْ عَبْدِي، وَقَالَ مَرَّةً: فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِي، فَإِذا قَالَ: {اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ} قَالَ: هٰذا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِي، وَلِعَبْدِيْ ما سَأَلَ، فَإِذا قَالَ: {اِهْدِنَا الصِّراطَ الْمُسْتَقِيْمَ، صِراطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ} قَالَ: هٰذا لِعَبْدِيْ، وَلِعَبْدِيْ ما سَأَلَ"۔ [صحيح مُسْلم، باب وجوب قراءة الفاتحة في كلِّ ركعة، رقم الحديث: ۸۷۸]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے نماز (یعنی سورۂ فاتحہ) اپنے اور اپنے بندہ کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کردی ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ سب کچھ ہے جو وہ مانگے۔ جب بندہ کہتا ہے: {اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ} [سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا] تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے میری حمد بیان کی۔ اور جب بندہ کہتا ہے: {الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم} [بہت مہربان، رحمت والا] تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے میری ثنا کی۔ اور جب بندہ کہتا ہے: {مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ} [روزِ جزا کا مالک] تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے میری عظمت بیان کی اور ایک مرتبہ "مَجَّدَنِيْ عَبْدِی" کی جگہ "فَوَّضَ اِلَيَّ اَمْرِي" ارشاد ہوا۔ (یعنی: میرے بندہ نے میرا کام میرے سپرد کیا) اور جب بندہ کہتا ہے: {اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ} [ہم تیری ہی عبادت کریں اور تجھی سے مدد چاہیں] تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جو اُس نے مانگا۔ پھر جب بندہ کہتا ہے: {اِهْدِنَا الصِّراطَ الْمُسْتَقِيْمَ، صِراطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ} [ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ اُن کا جن پر تو نے احسان کیا، نہ اُن کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا] تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے بندہ کے لیے ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جو اُس نے مانگا۔

تشریحات:

سوال: اس حدیث میں "صلاۃ" سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس حدیث میں "صلاۃ" سے مراد سورۂ فاتحہ ہے، کیوں کہ نماز میں اس سورہ کا پڑھنا واجب ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان نصف نصف تقسیم کیے جانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: چوں کہ اس سورۂ مبارکہ کا ایک حصہ باری تعالی کی حمد و ثنا اور اُس کی صفاتِ کمالیہ کے بیان پر مشتمل ہے اور ایک حصہ بندہ کی دعا اور مناجات پر مشتمل ہے اور اِس حدیث قدسی میں اُن دعاؤں کی قبولیت کی بشارت بھی مذکور ہے اس لیے ارشاد ہوا کہ اس سورہ کو میں نے اپنے اور اپنے بندہ کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا ہے۔

فائدہ: اس سورۂ مبارکہ کی عظمت کے پیش نظر اس کے متعدد نام ہیں: سورۃ الفاتحہ، کنز، وافیہ، شافیہ، سبع مثانی وغیرہ اور یہ سورۂ مبارکہ قرآن مقدس کی عظیم تر سورہ ہے، صحیح البخاری میں ہے: ”عَنْ أَبِی سَعِیدِ بْنِ المُعَلَّی، قَالَ: کُنْتُ أُصَلِّي فِي المَسْجِدِ، فَدَعانِي رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ أُجِبْہُ فَقُلْتُ: یا رَسُوْلَ اللّٰہِ، إِنِّي کُنْتُ أُصَلِّي، فَقَالَ: أَلَمْ یَقُلِ اللّٰہُ: {اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذا دَعاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ} [سورۃ الانفال: ۲۴] ثُمَّ قَالَ لِيْ: ”لَأُعَلِّمَنَّکَ سُوْرَۃً ھِيَ أَعْظَمُ السُّوَرِ فِي القُرْآنِ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ المَسْجِدِ“، ثُمَّ أَخَذَ بِیَدِي، فَلَمَّا أَرادَ أَنْ یَخْرُجَ، قُلْتُ لَہُ: أَلَمْ تَقُلْ: ”لَأُعَلِّمَنَّکَ سُوْرَۃً ھِيَ أَعْظَمُ السُّوَرِ فِي القُرْآنِ؟“ قَالَ: {اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِیْنَ} ھِيَ السَّبْعُ المَثَانِي وَ القُرْآنُ العَظِیْمُ الَّذِيْ أُوْتِیْتُہُ“۔ [صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الفاتحہ، رقم الحدیث: ۴۴۷۴]

ترجمہ: حضرت ابوسعید بن مُعلّٰی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا: میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے پکارا، تو میں نے حالتِ نماز میں جواب نہ دیا پھر (نماز مکمل کر کے حاضر ہوا اور) عرض گزار ہوا، یارسول اللہ، بے شک میں نماز پڑھ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا: کیا یہ اللہ تعالی کا ارشاد نہیں ہے؟ {اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذا دَعاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ} [اے ایمان والو، اللہ و رسول کے بُلانے پر حاضر ہو جب رسول تمھیں اُس چیز کے لیے بلائیں جو تمھیں زندگی بخشے گی] پھر حضور نے مجھ سے فرمایا: ضرور میں تمھیں مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک ایسی سورہ بتاؤں گا جو قرآن

حکیم کی عظیم تر سورہ ہے، پھر حضور نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ جب حضور علیہ السلام نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا میں نے آپ سے عرض کی، کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں: ضرور میں تمھیں مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک ایسی سورہ بتاؤں گا جو قرآن حکیم کی عظیم تر سورہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: {اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ} یہ وہ سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۳۹﴾

تصویر بنانا بہت بڑا ظلم ہے

{۳۹} عَنْ أَبِي ھُرَیْرَۃَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ یَقُوْلُ: قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَھَبَ یُخْلُقُ کَخَلْقِي، فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّۃً، أَوْ لِیَخْلُقُوْا حَبَّۃً أَوْ شَعِیْرَۃً۔ [صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی: {وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ} رقم الحدیث: ۷۵۵۹]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری مخلوق کے مثل تخلیق کرنے کا خواہاں ہو، لہذا (اُن کو چیلنج ہے کہ) وہ لوگ ایک ذرہ یا ایک دانہ کا ایک جو پیدا کریں۔

★ ”وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَھَبَ۔۔۔“: اس سے معلوم ہوا کہ تصویر بنانے والا بہت بڑا ظالم ہے۔

اعتراض: آیتِ کریمہ: {اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ} سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے، یوں ہی بعض دیگر آیات میں سب سے بڑا ظالم دیگر گناہ کرنے والوں کو قرار دیا گیا ہے تو تصویر بنانے والا سب سے بڑا ظالم کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب: اس حدیث میں تصویر بنانے والے سے مراد وہ ہے جو اِس لیے کسی جان دار کی تصویر بنائے تا کہ اُس کی عبادت کی جائے، اس لیے اس ارادہ سے بنانے والا درحقیقت کافر مشرک ہونے کے

ساتھ مشرک گر بھی ہے لہذا ایسے شخص کا عذاب دیگر تمام کفار کے عذاب سے سخت ہوگا۔ ایسا ہی علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالی نے تحریر فرمایا ہے۔ اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اگر بے جان کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے، نیز جان دار کی تصویر بنانا اگر مذکورہ بالا نیت سے نہ ہو تو یہ حرام ہے لیکن کفر نہیں ہے۔

★ ”فَلْيَخْلُقُوْا ذَرَّةً۔۔۔“: اس حکم سے مقصود بس یہ ہے کہ قیامت کے دن اُن تصویر بنانے والوں کی عاجزی ظاہر کر کے اُن کو عذاب دینا ہے، کیوں کہ ظاہر ہے کہ انہیں اس کی طاقت تو ہوگی نہیں اس لیے اُس وقت یہ حکم اُن کے لیے سخت تکلیف کا باعث ہوگا۔

﴿حدیث القدسی نمبر: ۴۰﴾

”حب فی اللہ“ والے لوگ قیامت کے دن باری تعالی کے سایۂ رحمت میں ہوں گے

{۴۰} عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم: اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: أَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِيْ، الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ۔ [صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والادب، باب في فضل الحب في الله، رقم الحديث: ۴۲۲۵]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالی قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا: میری عظمت کے باعث باہم محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج میں انھیں اپنے سایہ میں رکھوں گا، یہ دن وہ ہے جس دن میرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

تشریحات:

★ ”اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: اس حدیث میں باری تعالی کے لیے ”یقول“ یعنی فعل مضارع کا استعمال ہے اس سے معلوم ہوا کہ باری تعالی کے فعل مضارع لایا جاسکتا ہے، اگرچہ بعض علماء اسے ناپسند قرار دیا

اور کہا کہ اللہ تعالی کے حق میں ”قال“ فعل ماضی لانا چاہیے، لیکن اللہ تعالی کے لیے احادیثِ کثیرہ میں فعل مضارع لایا گیا ہے، خود اللہ تعالی نے قرآنِ پاک میں اپنے حق میں ارشاد فرمایا: {وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ} [الاحزاب: ۴] اور اللہ تعالی حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔

★ ”الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِيْ“: سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کی عظمت اور فرماں برداری کی وجہ سے باہم محبت کرنے والوں کو اس اعزاز سے سرفراز کیا جائے گا کہ اُن کو باری تعالی کے سایۂ رحمت میں جگہ نصیب ہوگی۔

☆ ”يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّيْ“: اس دن سے مراد قیامت کا وہ سخت دن ہے جس کی سخت دھوپ اور تمازت کا عالم یہ ہوگا کہ سورج سوا نیزہ کے قریب ہوگا اور اس دن عرش کے سایہ کے علاوہ دنیا کی طرح کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں حدیث میں ”ظِل“ سے راحت و نعمت مراد ہو، جس طرح کہا جاتا ہے: ”هُوَ فِيْ عَيْشٍ ظَلِيْلٍ“ یعنی: وہ چین کے سایہ میں زندگی بسر کر رہا ہے۔

☆ اس مقدس حدیث پر چہل احادیث کا یہ مجموعہ تمام ہو رہا ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اپنے حبیب پاک علیہ السلام اور اپنے نیک بندوں کے صدقہ میں حب فی اللہ کی توفیق سے نوازے اور اس اربعین کے مولف، اس کے والدین اور مشائخ و اساتذہ نیز حلقۂ ارادت میں شامل تمام مومنین کو روزِ قیامت اپنے سایۂ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

❁❁❁❁❁

مختصر تعارف

رئیس ملت اسلامک ریسرچ سینٹر [بیادگارامام اعظم ابوحنیفہ] کھمبات شریف

پیرطریقت، رہبر شریعت، بدر معرفت، آفتاب رشد و ہدایت، متمکن سریر ولایت، رئیس دین وملت، مظہر کراماتِ غوث اعظم، ابو الایتام حضرت علامہ الحاج الشاہ سیّد رئیس اشرفی الجیلانی میرانی دامت برکاتہم العالیہ، سجادہ نشین آستانہ عالیہ سرکار شاہ میراں کا قائم کردہ ”جامعہ فیضان اشرف رئیس العلوم“، صوبہ گجرات کے تاریخی ساحلی قصبہ کھمبات میں ایک مرکزی علمی و دینی ادارہ ہے، جس کے مختلف شعبہ جات میں شعبۂ تصنیف واشاعت کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی تھی کیوں کہ:

دورِ حاضر میں جہاں گستاخان خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شوشل میڈیا کے ذریعہ اسلامی قدروں کو پامال کرنے میں منہمک اور سرگرداں ہیں، وہیں کتب ورسائل کو چھاپ کر بھی گمرہی اور بدعقیدگی کو عام کرنے میں شبانہ روز مصروفِ عمل ہیں۔

یہ ایک سچائی ہے کہ ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کے لیے پرنٹ اور الیکٹرانک ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کا موثر جواب دینے کی سخت ضرورت ہے۔

مجھے یہ خبر دیتے ہوئے بڑی مسرت ہورہی ہے کہ پیر طریقت، رہبر شریعت، شہزادہ حضور رئیس ملت سید العلما حضرت علامہ سیّد نظامی اشرفی الجیلانی میرانی دام ظلہ علینا (سربراہ اعلی جامعہ فیضان اشرف رئیس العلوم) نے 1445ھ مطابق 2023ء میں عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان وعقیدے کے استحکام، اصلاح اخلاق واعمال اور فرقہائے باطلہ کا دندان شکن جواب دینے کے لیے ایک تصنیفی و اِشاعتی ادارہ بنام ”رئیس ملت اسلامک ریسرچ سینٹر بیادگار امام اعظم ابوحنیفہ“ قائم فرما دیا ہے۔ بلاشبہ مخدوم گرامی نے یہ تصنیفی واشاعتی ادارہ قائم کرکے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے

اور ملت اسلامیہ پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ خدائے کریم اس ادارہ کو روز افزوں عروج اور فروغ بخشے۔ آمین!

ان شاء اللہ عن قریب اس اشاعتی شُعبے سے جدید عصری تقاضوں کے مطابق بزرگان دین کی معرکۃ الآرا تصانیف اور دیگر مستند اکابر علما بالخصوص شہزادگان حضور رئیس ملت فاضل یمن رئیس العلما حضرت علامہ پیر سیّد جامی اشرف اشرفی الجیلانی میرانی وسید العلما حضرت علامہ پیر سید نظامی اشرف اشرفی الجیلانی میرانی دام ظلہما کی گراں قدر و کارآمد کتب ورسائل کو دیدہ زیب انداز میں زیور طباعت سے آراستہ کرکے منظر عام پر لایا جائے گا۔

بحمدہ تعالی یہ تصنیفی واشاعتی ادارہ بڑے فخر کے ساتھ اپنے اشاعت کی تیسری کڑی یعنی مصنف کتب کثیرہ حضرت علامہ پیر سید نظامی اشرفی الجیلانی میرانی دامت برکاتہم العالیہ کی تالیف کردہ اربعین ”الافق الاعلی فی انارۃ ماروی النبی عن ربہ تعالیٰ“ جس کا تاریخی نام ”مختار القدسی ۱۴۴۶ھ ورفعت حدیث قدسی ۱۴۴۶ھ“ ہے۔ زیور طباعت سے آراستہ کرکے شائقین علم وادب کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے امید ہے کہ علم دوست حضرات یقیناً پسند فرمائیں گے۔ فالمسئول من اللہ العظیم الوھاب ان یتقبل جھودنا بجاہ سید المرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین۔ آمین! یارب العالمین۔

محمد عرفان رضا حشمتی علیمی میرانی

رکن رئیس ملت اسلامک ریسرچ سینٹر